شب جائے کہ من بودم

(حجاز میں چودہ دن)

شورش کاشمیری

www.bookmaza.com

شب جائے کہ من بودم

(حجاز میں چودہ دن)

شورش کاشمیری

مطبوعاتِ چٹان
۸۸ میکلوڈ روڈ ○ لاہور

واحد تقسیم کنندگان
الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

جولائی 2006ء

کتاب	شب جائے کہ من بودم
مصنف	شورش کاشمیری
مطبع	چٹان پرنٹنگ پریس
ناشر	مطبوعات چٹان، لاہور
اشاعت	پنجم
قیمت	-/125 روپے

واحد تقسیم کنندگان:

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

ملک عباس حسین کے نام

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

میرا دل اُن کا شکر گزار ہے

غُذرہائے مَن پذیرُ

خُدا ہے ـــــ کی سب سے بڑی دلیل خود میرا وجود ہے۔ مجھے زندگی میں جو کچھ ملا، رزق، اولاد، عزت، قلم، بیان یہ سب بارگاہِ ایزدی کے انعامات ہیں۔ یہ چیزیں خدا کے سوا مجھے کوئی نہیں دے سکتا تھا، میں نے اپنے وجود سے اپنے رب کو پہچانا ہے۔ یہ میرے خدا ہی کا فضل و کرم تھا کہ ۱۹۶۹ء میں ۵ نومبر ۱۸ نومبر تک ارضِ قرآن میں رہا ایک گمراہ معصیت اور آلودۂ فسق انسان کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ بیت اللہ اور بارگاہِ رسالت میں یاد کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطفِ بے پایاں اور رحمت للعالمینؐ کی کرم گستری تھی کہ ایک روسیاہ اس بے پناہ دربار کی حاضری اور حضوری سے مشرف کیا گیا۔

یہ روداد کہنا اور لکھنا سہل نہیں، یہ اس دربار کی روداد ہے جہاں جُنیدؒ و بایزیدؒ کے حواس گم ہو جاتے، اور شبلی و عطار تکتے رہ جاتے ہیں، میں نے سفرنامہ

حجاز کے زیرِ عنوان چٹان میں اپنے جو تاثرات بیان کئے تھے یہ روداد اس سے مختلف ہے میں نے یہ کہانی دل کے محسوسات اور رُوح کی کیفیات میں ڈوب کے لکھی ہے۔

عشق بڑی نازک چیز ہے میں خاطی و عاصی انسان ہوں خدا جانے میرے قلم نے کہاں تک میرا ساتھ دیا ہے بہرحال وہ مشاہدات اور تجلّیات کون لکھ سکتا ہے جو کعبۃ اللہ اور مدینۃ النبیؐ کی حاضری سے ملتی ہیں جس طرح زمزم صدیوں سے اُبل رہا ہے اور اس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بیت اللہ کی عظمت اور حرم نبویؐ کی تراکت کے تذکرہ کی حد یا کنارہ نہیں۔ ہم ایسے لوگ جو کچھ لکھتے اپنی بخشش کے لیے لکھتے ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کے گھروں کو ہمارے قلم و زبان کی احتیاج نہیں حاجت مند ہم ہیں کہ ان کے ذکر سے اپنی دنیا سنوارتے اور آخرت کا توشہ پاتے ہیں۔

میں نے جو کچھ لکھا، آپ کے سامنے ہے الفاظ کے چناؤ میں کوئی غلطی ہوئی ہو یا حاضری میں کمی رہ گئی ہو یا حضوری میں آداب کا اندازہ نہ کیا ہو تو یقین ہے میرا رب مجھے معاف کر دے گا میرے آقاؐ کی رحمت للعالمینی مجھے پناہ دے گی۔ وہ اِن دُنیوی حکمرانوں کی طرح نہیں جو ماتھے پر شکن ڈال کے انسانوں سے عجز و نیاز کا مطالبہ داغتے اور خدا کی زمین پر خود اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں خدا کا خوف متروکاتِ سخن میں سے ہے —— میں اپنی ہر لغزش کے لیے اپنے رب سے معافی چاہتا ہوں۔

میں نے جہاں تہاں کوئی روایت نقل کی ہے صرف اس خوف سے مبادا الفاظ میں ہیر پھیر ہو یا لفظ کا ترجمہ سَرک جائے ماخذ ہی کے الفاظ اٹھا کے رکھ دیئے

ہیں لیکن میں ایک انسان ہی ہوں کوئی چیز ادب کی ترازو سے نکل گئی ہو یا عبارت کے لہجہ میں پھانس آگئی ہو تو قارئین سے معافی چاہوں گا۔ میں نے اپنی استعداد میں کمی نہیں کی ایک بے پناہ شوق مجھے قلم کی معرفت یہاں کھینچ لایا ہے۔

سورج سب پر چمکتا ہے وہ گنہگار اور پرہیزگار نہیں دیکھتا۔ اسی طرح عشق کا سورج اس گنہگار پہ بھی چمکا ہے۔ میرے چمنِ خیال میں جو کچھ تھا سورج کی اس روشنی نے تحریر کی شاخوں پر کھلا دیا ہے۔ میں علم کا ہمہمہ لے کر حاضر نہیں ہوا کہ اس سے میرے جیب و داماں خالی ہیں۔ میرے پاس عشق تھا یہ اس کی صدا ہے مجذوب کہہ لیجئے یا قلندر ظاہر ہے کہ مجذوب و قلندر نیاز سے زیادہ ناز کرتے ہیں اور یہ روداد۔ نیاز و ناز ہی کا آمیختہ ہے۔

شورش کاشمیری

٦ ستمبر —— ١٩٧١ء

دفتر چٹان لاہور

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم   نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام   کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اقبالؒ

جَدّہ

★ ★ ★ ★ ★ ★

ذرا قرنِ اوّل کو آواز دینا

جدّہ میں اب صرف دو چیزیں عرب ہیں ایک زبان دوسرے اذان۔ باقی ہر چیز پر یورپ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ عربوں کا خاص لباس بھی یہاں مخلوط ہو گیا ہے۔ قطع ہے وضع نہیں، وضع ہے قطع نہیں وضع کا بھرم بھاڑ ہے تو قطع میں رکھ رکھاؤ نہیں۔ غرض عرب تو ہیں ہر قسم کے عرب، عاربہ بھی اور عرب مستعربہ بھی لیکن ارض قرآن کے عرب اب آب و گل کے ایک نئے سانچہ میں ڈھل گئے ہیں۔

وہ طوفانوں سے کھیلنے والے عرب تھے اور خود ایک طوفان تھے۔ یہ ساحل کے تماشائی عرب ہیں جو کنارہ پر کھڑے خود ایک کنارہ ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہو گا کہ ان کا ماضی سے کوئی رشتہ نہیں رہا لیکن یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان کا ماضی ان سے محروم ہو چکا اور اس چراغ کی طرح ہو گیا ہے جو یادوں کے مزار پر بھولی بسری لَو دیتا ہے۔

جدّہ بحرِ احمر کی ملکہ ہے اس کی موجیں اس کے ساحل سے ضرور ٹکراتی ہیں لیکن

ٹکراتی اور پیچھے ہٹ جاتی ہیں، جہاز آتے اور نکل جاتے ہیں، کروڑوں روپیہ کا مال اُتارا جاتا اور حجاز کے بازاروں میں بکتا ہے۔ ان عربوں میں طارق کوئی نہیں جوان موجوں میں اُتر جائے، سفینوں کو آواز دے اور بادبان کھول دے، ساتھی کہیں ہم وطن سے دور ہیں لوٹیں گے کیونکر ___؟

ترک سبب ز روئے شریعت کجا راست

وہ تلوار اٹھا کے مُسکرائے اور کہے ___ ع

ہر مُلک مُلکِ ماست کہ مُلکِ خدائے ماست

بحرے بھی ہیں لیکن ماہی گیر ان میں بیٹھ کر مچھلیاں شکار کرتے، موجیں مارتے اور لہریں گنتے ہیں وہ کہانیاں ختم ہوگئی ہیں جو عربوں کے حافظہ میں شاعروں کی لے سے نشوونما پاتی رہی ہیں، محمل ہیں لیکن خالی قیس ہیں لیکن بادیہ پیما نہیں بادیہ ہی نہیں رہا تو پیمائی کہاں؟ لیلی ہے لیکن ہوٹلوں میں! جدّہ کے ہوٹل یورپ کے ہوٹلوں سے کچھ کم نہیں، کمزور ہوٹل بھی ہیں شہ زور ہوٹل بھی لیکن تہذیب دونوں کی یکساں ہے مہمان نواز کوئی نہیں سب مسافر نواز ہیں، کمزور ہوٹل داشتہ آید بکار کا مصداق ہیں۔ شہ زور ہوٹل کتابِ مقدس کا باب غزل الغزلات۔

ترا نام عطر ریختہ ہے
ہم ترے عشق کا تذکرہ
مے سے زیادہ کریں گی
اے میری پیاری
میں نے تجھے فرعون کے رتھ کی

گھوڑیوں میں سے ایک ساتھ
تشبیہہ دی ہے،
میرا محبوب میرے لیے دستۂ مُر ہے
جو رات بھر مری چھاتیوں کے درمیان
پڑا رہتا ہے،
میرا محبوب میرے لیے عین جدی کے انگورستان
سے مہندی کے پھولوں کا گچھا ہے
تیری آنکھیں دو کبوتر ہیں
میں شارون کی نرگس اور وادیوں کی سوسن ہوں،
جیسی سوسن جھاڑیوں میں
ویسی ہی میری محبوبہ کنواریوں میں ہے
جیسا سیب کا درخت بن کے درختوں میں
ویسا ہی میرا محبوب نوجوانوں میں ہے
اے یروشلیم کی بیٹیو!
میں تم کو غزالوں اور میدان کی ہرنیوں کی
قسم دیتا ہوں
تم میرے پیار کو نہ جگاؤ نہ اُٹھاؤ
میری پیاری نازنین! چلی آ
دیکھ جاڑا گذر گیا

مینہ برس چکا اور نکل گیا
زمین پر پھولوں کی بہار ہے
پرندوں کے چہچہانے کا وقت آ پہنچا
اور ہماری سرزمین میں قمریوں کی
آواز سنائی دینے لگی
انجیر کے درختوں میں ہرے انجیر پکنے لگے
اور تاکیں پھولنے لگیں
ان کی مہک پھیل رہی ہے
سو اُٹھ میری پیاری، میری جمیلہ چلی آ
یہ کون ہے جو مُر اور لُبان سے
اور سوداگروں کے تمام عطروں سے معطر
ہو کر بیابان سے دھوئیں کے ستون کی
مانند چلا آتا ہے
یروشلم کی بیٹیوں نے عشق سے مرصع کیا

ترے بال بکریوں کے گلہ کی مانند ہیں
جو کوہ جلعاد پر بیٹھی ہوں
ترے دانت بھیڑوں کے گلہ کی مانند ہیں
جن کے بال کترے گئے ہوں اور جن کو

غسل دیا گیا ہو
ترے ہونٹ قرمزی ڈورے ہیں
تری کنپٹیاں ترے نقاب کے نیچے
انار کے ٹکڑوں کی مانند ہیں
تری گردن داؤد کا برج ہے
جو سلاح خانہ کے لیے بنا جس پر ہزار
سپریں لٹائی گئی ہیں
تری دونوں چھاتیاں دو توام آہو ہیں
تو سراپا جمال ہے
تجھ میں کوئی عیب نہیں
شہد و شیر تری زبان تلے ہیں
اے بادِ شمال بیدار ہو، اے بادِ جنوب چلی آ
یہ کون ہے جس کا ظہور صبح کی مانند ہے
اور علمدار لشکر کی مانند مہیب

(کتاب مقدس عہد نامہ قدیم صفحہ ۶۵۵)

جدہ جو کبھی تھا اب نہیں رہا اور جو ہے وہ بیروت کا ہم زلف ہے، عربوں کی دولت بیروت کے بعد یہاں نہال ہوتی ہے ایک کھلی مارکیٹ ہے جہاں یورپ کی تہذیب اپنی مصنوعات سمیت فروخت ہوتی ہے یورپ کی عیش طلبیوں نے جن چیزوں کو ایجاد کیا یہاں بہتات سے بکتی ہیں۔ کپڑا ہے تو اس کے

بازار لدے ہوئے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر، خیالوں سے نازک کپڑا سوال روپیہ کا نہیں تیل اور سونے نے عربوں کو اتنا پیسہ دے دیا ہے کہ سوال اب اس کے خرچ کرنے کا ہے۔ شیوخ عرب اور اُمرائے حجاز قیمت نہیں لگاتے پیسہ لٹاتے ہیں ان کی دولت خریدار ڈھونڈھتی اور چوکڑی بھرتی ہے۔ جدّہ کی ہر رات الف لیلےٰ کو محیط ہے۔ الف لیلیٰ کہانیوں کا مجموعہ ہے کہ اس کے سوداگر محفلیں سجا کر اونٹوں کی قطاریں ساربانوں کے ہمراہ چلتے اور صحراؤں میں جوت جگاتے تھے۔ اب یہاں اُمویوں کے دمشق کی صبح نگار خانہ اور عباسیوں کے بغداد کی شب مے خانہ ہر لحظہ جواں ہے۔ اس کی مارکیٹ بازار عکاظ کی روایتوں کو جھٹلا چکی اور سوق ذوالمجاز کی حکایتوں سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ عربوں کی زمین کا روغن اور عربوں کے جسموں کا خون مغرب نے لگاتار کشید کیا اور اب تک کشید کر رہا ہے۔ جدّہ کی عمارتیں کشیدہ قامت ہیں کبھی عرب قدآور تھے اب عمارتیں قدآور ہیں جدّہ ان کا **نوشتہ** ہے یہ اس کے **بُراتی**۔

میں نے جدّہ پیلس (وہ ہوٹل جہاں میں واپسی پر ایک دن کے لیے ٹھہرا تھا) سے جدّہ کی سڑکوں، شہر کی عمارتوں، سمندر کی لہروں اور سرو سہی جہازوں کا نظارہ کیا۔ پھر یہ سوچ کر آنکھیں بند کر لیں کہ یہ حُسن مقامی رنگ کے سوا ہر جگہ ہے مجھے وہ حسن تلاش کرنا چاہیے جو مجھے یہاں کھینچ لایا اور میرے دل کے معبد میں سُلگتا رہا ہے جس کی میں نے اپنے عشق کے گہوارہ میں کنواری حیا کی طرح نگہداشت کی ہے لیکن آنکھیں بند کر لینے سے حقیقتیں نہیں ٹلا کرتیں۔ میرے محسوسات میرے اندر مضطربانہ کروٹیں لے رہے تھے۔

اور یہ احساس اُس وقت اور شدید ہو گیا جب میں نے سیاسی انسان کی حیثیت سے غور کیا جدّہ محض ایک پورٹ ہی نہیں اور یہاں صرف وہی لوگ ہی نہیں آتے جو اس کے بازاروں سے خریداری کرتے ہیں۔ یہاں وہ لوگ بلا ناغہ آتے ہوا اور پانی کی سواریوں سے جن کے لیے جدّہ مولد اسلام رسالت اور مہبط قرآن کا دروازہ اور جزیرہ عرب کا دیباچہ ہے کیا عالم عرب نے اس دیباچہ پر غور کیا ہے؟ میں دیر تک اپنے دل کو ٹٹولتا رہا، عقل کچوکے دیتی رہی، عشق حوصلہ بندھاتا رہا لیکن عشق اندھا ہوتا ہے وہ حقائق کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتا، تاآنکہ تاریخ اپنا پیمانہ لبریز کر دیتی ہے۔

عرب اپنے سوا ساری دنیا کو عجم (گونگا) کہتے رہے ہیں ان کی لسانی نزاکتوں سے کاملاً آگاہ نہ ہونے کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں اب بھی اعتماد ہے اور شاید وہ اب بھی دنیا کو جو اُن سے باہر ہے گونگا سمجھتے ہیں لیکن ان کی ذہنی رگوں سے جس طرح لہو نچڑ رہا ہے اور ان کے دماغ کے سوتے جس تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی عقلیں گنگ ہو گئی ہیں ان کے الفاظ عرب ہیں ان کے افکار عرب نہیں، وہ اپنی روایتوں کو بھی یورپ کے سہارے زندہ کر رہے اور شمشیر و سناں سے طاؤس و رباب میں داخل ہو رہے ہیں جدّہ اس کا سر آغاز ہے۔

ہر چند میں اس جستجو میں رہا کہ جدّہ میں ارض قرآن کو تلاش کروں افسوس ناکام رہا، ناقہ تلاش کیا، سیارہ (موٹر) پایا، بڑی بڑی کاریں ہمارے ہاں کی بسنت کے پتنگوں کی طرح اڑتی پھرتی ہیں۔ لمبی لمبی ایئر کنڈیشنڈ کاریں جو خود یورپ استعمال

نہیں کرتا یہاں فراٹے بھرتی چلی جاتی ہیں یہ ان اونٹوں کا بدل ہیں جن کا تذکرہ کلام اللہ میں ہے اور جو اپنے قافلوں کو لے کر محاذوں پر پڑاؤ کرتے اور محملیں سجا کر دُور دراز کی وادیاں قطع کرتے تھے کسی کونے کھدرے میں شاید کوئی ناقہ یا ساربان ہو اور ممکن ہے کسی شتربان کے ساتھ کوئی حدی خواں بھی ہو لیکن میری تلاش میرے ہمرکاب رہی اور میں ڈھونڈھنے کے باوجود انہیں پا نہ سکا۔

وہ اونٹ جو فتح مکّہ کے وقت اپنے بہترین سواروں کو لے کر حدودِ حرم میں داخل ہوئے تھے اور وہ ناقہ جس کی مہار عمر فاروق رضؓ نے بیت المقدس کی فتح کے وقت اس طرح تھام رکھی تھی کہ غلام سوار تھا اور امیر المومنین اپنی باری نپٹانے کے لیے پیدل چل رہے تھے! اور وہ اونٹ جو عائشہ صدیقہ رضؓ کو پیچھے چھوڑ کر چل نکلا تھا کہ واقعہ افک وضع ہوا نتیجتہً سورۃ نور نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُم المومنین رضؓ کی عفت کے آبگینہ کو جبرئیل کی معرفت وحی کے فانوس سے روشن کیا وہ اونٹ آج جدہ ہی نہیں پورے عرب سے عنقا ہو گیا ہے اب طیارے ہیں یا سیارے اور سیارے تو اس طرح اڑتے پھرتے ہیں جس طرح افواہیں بے قابو ہو کر پھیل جاتی ہوں۔

اکّا دکّا جسموں پر عربوں کے روائتی مشلحے (عبائیں)، ثوب (لمبی قمیص) اور سروں پر غترہ و عقال، مل جاتے ہیں لیکن رسماً اور اس وقت جب ان کے ماضی کی وضعداریاں انہیں جھنجوڑتی ہیں ورنہ ساکنانِ جدہ جن میں مختلف ملکوں کے باشندے اور عرب ریاستوں کے عیسائی حتیٰ کہ بھارتی ہندو بھی شامل ہیں ایک مخلوط معاشرت اور اس کے ظواہر میں رچ بس گئے ہیں۔

مسجدیں بھی ہیں لیکن ایک دو مسجدوں کے سوا کوئی مسجد پر شکوہ نہیں۔ ان دو مسجدوں پر شکوہ کا لفظ وارد نہیں ہوتا مسجد حنفی بھی ہے مسجد مالکی بھی، مسجد شافعی بھی اور مسجد عکاشہ بھی۔ مدینۃ الحجاج میں بھی خوب صورت مسجد بنی ہے مگر ان مسجدوں سے ایک فرض کا احساس ضرور ہوتا ہے کسی شکوہ کا نہیں۔ کپڑا مارکیٹ کے بغل میں ایک ٹیڑھی میڑھی گلی ہے اس گلی میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس طرح کی مسجد جیسی مسجدیں ہمارے ہاں دیہات میں ہوتی ہیں بدویت کی یادگار! لیکن قدآور عمارتوں کے پہلو میں اس کا وجود الف کے ساتھ ہمزہ کی طرح ہے۔ ان مسجدوں پر بالا بلند مینار نہیں یہ اِدھر اُدھر کی سنگی عمارتوں کو اس طرح ٹکر ٹکر دیکھتی ہیں جس طرح خدمتگار عورتوں کے بچے مالکن کی بہو کے سولہ سنگار کو دیدے پھاڑ کر تکا کرتے ہیں۔

جدہ کے لغوی معنی پر میں نے غور نہیں کیا عربوں میں کوئی نام بغیر مفہوم کے نہیں ہوتا خود لفظ عرب کے کئی کئی معنی ہیں۔ مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ عرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری کے ہیں اسی لیے عرب اپنے سوا تمام دنیا کو عجم کہتے رہے یہ محض نکتہ آفرینی ہے علمائے انساب کے نزدیک چونکہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا لہذا اسی کے نام پر ملک کا نام پڑ گیا۔ اہل جغرافیہ نے عرب کا پہلا نام عربہ لکھا ہے جو تخفیفاً عرب ہو گیا اور یہی قوم کا نام قرار پایا۔ سید سلیمان ندوی نے اسد بن جاحل ابن منقذ ثوری، ابو سفیان کلبی اور ابو طالب کے بعض اشعار کا حوالہ دے کر اس کی توثیق کی ہے اور یہ قرین حقیقت ہے کیونکہ تمام سیاسی زبانوں میں عربہ صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا نام عربہ اور پھر عرب ہو گیا۔

قرآن مجید میں عرب کا لفظ ملک عرب کے لیے کہیں نہیں بولا گیا حضرت اسماعیل کی سکونت کے ذکر میں وادیٔ غیر ذی ذرع یعنی وادیٔ ناقابل کاشت بولا گیا ہے اور یہ لفظ عرب کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے۔ حضرت مسیح سے ایک ہزار برس پہلے حضرت سلیمانؑ کے عہد میں لفظ عرب کے استعمال کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جدّہ کا نام حضرت عثمانؓ کے وقت رکھا گیا پہلا نام شعبیہ تھا۔ جدّہ ٹھیک ٹھیک وہاں تو نہیں لیکن اس سے ہٹ کر اس کی جگہ آباد کیا گیا۔ السنہ کی ایک روایت کے مطابق جدّہ کے معنی ساحل کے ہیں ایک دوسری روایت کے مطابق وہ حصہ جہاں زمین پانی سے کٹ جاتی ہے لغت میں جدّہ کے معنی دادی اور نانی کے بھی ہیں۔ یہاں حضرت حوّا کی قبر ہے ممکن ہے اسی رعایت سے اس کا نام جدّہ کر دیا گیا ہو جدّہ اب نانی ہے نہ دادی وہ نئی تہذیب کی ساحلی محبوباؤں میں سے ایک ہے شعرائے عرب میں سے کسی نے کہا ہے

"محبوبہ کے دو حصے ہیں ایک سراسر محبت کے لیے دوسرا شوہر کا جس پر
کبھی آنچ نہیں آتی۔"

جدّہ انہی شاعروں کے تصوّر و تخیل کا سراپا ہے لیکن محمل سے باہر آچکا اور تہذیب کے ہاتھ میں تیغ براں کی طرح ہے اب امرؤ القیس ہے نہ نابغۂ زبیانی زُھیر بن ابی سلمیٰ ہے نہ عنترہ عنسی، عمرو بن کلثوم ہے نہ طرفہ بن العبد اعشیٰ قیس ہے نہ حارث بن حلزہ لبید بن ربیعہ ہے نہ امیہ بن ابی الصلت، کعب بن زہیر ہے نہ عمرو بن معدیکرب، خنسائیے نہ حسان بن ثابت! حطیہ ہے نہ نابغہ الجعدی، عمر بن ابی ربیعہ ہے نہ اخطل فرزدق ہے نہ جریر جنتبیٰ ہے نہ ابوتمام ابوالعلاؑ معریٰ ہے نہ شریف رضی اب ان کے

تذکرے ہی رہ گئے ہیں جدّہ شاید ان تذکروں سے بھی خالی ہے۔ اس کے چہرے مہرے پر ندامت کی برائے نام تیوری بھی نہیں چڑھی ہے وہ ان جُھرّیوں پر گزارا نہیں کر رہا۔ بلکہ اس کی سج دھج انگور کے خوشوں سے نچڑی ہوئی "تازہ شراب" ہے اس کی عرب روایتیں دید و شنید سے نکل چکی ہیں کہانیاں چلا کرتی ہیں مجھے ان کہانیوں سے کوئی سروکار نہیں لیکن قہر سلطانی نے پورے شہر کو جرائم سے محفوظ کر دیا ہے چہرے آوارہ نگاہوں سے مصئون ہیں اور جیبیں فن کاروں سے! قطع ید کے خوف اور سر قلم کئے جانے کے اندیشہ نے مجرموں کی کوکھ بانجھ کر دی ہے یورپ اور ایشیا کے بڑے شہروں کی طرح یہاں مجرم کلبلیں نہیں بھرتے آپ سونا اچھالتے نکل جائیے کوئی مَیلی نگاہ نہیں اٹھے گی نصف صدی پہلے بدّو حجاج کو لوٹ لیتے اور قافلوں پر چڑھ دوڑتے تھے۔ عبدالعزیز ابن سعود نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ آج "مہذّب" ملکوں کے مقابلہ میں اس "غیر مہذب" ملک میں سب سے کم جرم ہوتے ہیں ان جرائم کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا جن سے یورپ اور امریکہ مالا مال ہیں تعزیر اتنی سخت ہے کہ جرم کا حوصلہ پیدا ہی نہیں ہوتا کوئی جرم ہے تو انڈر گراؤنڈ کوئی کھُلا گناہ نہیں اور کوئی آوارہ نگاہ نہیں مسلمان عرب عورت بازار کی ہرنی نہیں اور نہ وہ کھُلے منہ پھرتی ہے غیر ملکی نامسلمان عورتیں اکّا دکّا اِدھر اُدھر پھرتی نظر آتی ہیں لیکن آپ ان کا جائزہ نہیں لے سکتے اور نہ آپ کی نگاہیں ان کا تعاقب کر سکتی ہیں۔

میں جدّہ پیلس کی کھڑکیوں سے شاہ سعود کے محل کا نظارہ کرتا رہا اس کی بیرونی دیوار پہ برجیاں ہیں اور ان برجیوں میں شام ہوتے ہی ہنڈے روشن ہو جاتے ہیں جیسے پشواز پر بادلے جڑ دیئے ہوں یا کسی دلہن کے دوپٹہ پر گوٹے کے پھول کھلے ہوں —

قوسِ قزح کے رنگوں کی طرح محل جگمگاتا ہے معلوم ہوتا ہے فلک سے ستارے اتار کر قصرِ شاہی میں ٹانک دیئے ہیں۔

سعودی حکومت نے عہد رسالت مآبؐ کے آثار صحابہ کرام کے مظاہر اور اہلبیتؓ کے شواہد اس طرح مٹا دیئے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر محفوظ کرنی چاہیئے تھیں وہ ڈھونڈھ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی کتبہ یا نشان نہیں، لوگ بتاتے اور ہم مان لیتے ہیں حکومت کے نزدیک ان آثار و نقوش اور مظاہر و مقابر کا باقی رکھنا بدعت ہے عقیدۂ توحید کے منافی ہے سُنّت رسولؐ کے خلاف ہے لیکن عصر حاضر کی ہر جدت جدہ ہی میں نہیں پورے حجاز میں موجود ہے بلکہ بڑھ پھیل رہی ہے کیا قرآن و سنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا؟ شاہ فیصل کی تصویریں ہوٹلوں میں لٹک رہی ہیں انہیں حکومت نے خود مہیا کیا ہے ایئر پورٹ پر اُترتے ہی شاہ فیصل کی تصویر نظر پڑتی ہے قہوہ خانوں اور ریستورانوں میں ان تصویروں کی بہتات ہے لیکن اس میں کوئی بدعت نہیں! بدعت اسلاف کی یادیں بنانے اور باقی رکھنے میں ہے؟

عمر فاروقؓ کے پاس مصر کے گورنر عیاض بن غنم سے متعلق رپورٹ پہنچی کہ وہ باریک کپڑا پہنتا ہے حضرت عمرؓ نے اپنے پولیس آفیسر محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور عیاض کو جس حالت میں پاؤ پکڑ کر لے آؤ جب عیاض بن غنم گرفتار ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوئے تو وہ انہیں کپڑوں میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کُرتہ اُتروا کر بالوں کا کُرتہ پہنایا پھر بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر ان کے سپرد کیا اور کہا کہ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں جاؤ اور بکریاں چرایا کرو۔

لیکن اب اُمرائے حجاز، شیوخ عرب اور خاندان شاہی سونے اور چاندی کے تار سے کھچے ہوئے ریشم میں تن اور قاقم کے گدوں پر سوتا ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ ایران کے فاتح تھے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے کوفہ میں ایک محل بنوایا ہے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا جاؤ اور اس محل کو آگ لگا دو خارجہ بن حذاف نے مصر میں دو منزلہ مکان بنوایا حضرت عمرؓ نے مصر کے گورنر عمرو بن عاصؓ کو لکھا دوسری منزل فوراً گرا دو اس سے ہمسایوں کی پردہ دری ہوتی ہے۔

لیکن وہ دَور لد گیا سارے عرب میں ایک بھی عمرؓ نہیں پانی بہہ جائے تو لوٹتا نہیں لوگ ماضی کے شیدائی ہوتے ہیں لیکن ماضی کو پلٹا نہیں سکتے اور نہ وقت پلٹ کے آتا ہے وہ لوگ خدا کی زمین پر قدرت کے عطیہ تھے انہیں قرآن نے اپنے مزاج میں ڈھالا تھا وہ حضور سرورِ کائناتؐ کی ہم نشینی کے آب و گِل سے تیار ہوئے تھے انہیں منشائے ایزدی اور منشائے رسالتؐ کا پورا پورا علم تھا ان کی سیرتیں معجزہ الٰہی تھیں خلافت راشدہ لوٹ سکتی ہے؟ خلفائے راشد آ سکتے ہیں؟ خیالوں کے اس گرداب میں ــــ وہ رات جس سے اگلی صبح مجھے کراچی لوٹنا تھا تا بہ کمر پہنچنے تک کٹ گئی میں نے جدہ پیلس کے گداز بستر پر ایک ہی رات میں کئی صدیاں گذار دیں حتیٰ کہ قرنِ اوّل میں پہنچ گیا انسانوں کا وہ عظیم الشان قافلہ یاد آ گیا جو ازل سے ابد تک کے سب سے بڑے انسان کی سیادت میں کھجور کی چٹائیوں پر سوتا اینٹوں کے تکیے بناتا اور فرش پر لیٹ کر عرش سے ہمکلام ہوتا تھا۔ وہ لوگ اللہ کی رضا میں ڈھلے ہوئے تھے ان کی محلسرا کھجور کے درخت اور رو نواس مسجد نبویؐ کے حجرے تھے جنہیں کھجور کی ٹہنیوں سے کھڑا کیا گیا کچی اینٹیں لگائی گئیں اور دروازوں پر بوریا پڑا ہوا تھا ان کے قالین کانٹوں سے تیار ہوتے تھے۔

اسی سوچ میں مستغرق ریڈیو کھولا تا ہرہ بول رہا تھا وہ آواز کہ سُنے میں رجز تھا میں نے آواز کا پیچھا کیا بول تھے ۔

ہم عرب ہیں ——————

ہمیں نیزے کی انی تلوار کے زخم گھوڑے کی پیٹھ جنگ کا طبل لشکریوں کا علم اور محاذوں کی شدت بخوبی جانتی اور پہچانتی ہے !

ہم عرب ہیں ——————

ہم نے تاریخ کو صدیوں تک بہت کچھ دیا ہے
تاریخ ہمارا قرض چکاتے رہے گی
سار بان! ناقہ کی رفتار تیز کر
ہم ان سے نہیں ہو سکتے جو اللہ کے نزدیک گمراہ بھی ہیں اور مغضوب بھی ——،
—————— ہم عرب ہیں ۔

---

۵ نومبر (۱۹۶۹ء) کو صبح سوا نو بجے جہاز کو کراچی سے جدہ کے لیے اُڑنا تھا لیکن پونے گیارہ بجے اُڑا اور بحرین میں ٹھہرتا ہوا وہاں سے ایک گھنٹہ پنتالیس منٹ میں جدہ کے ایئرپورٹ پر پہنچ گیا۔

پچھلی رات میں نے کراچی ایئرپورٹ کو مڑتی ہوئی سڑک کے سامنے واقع ہوٹل ڈی فرانس میں کاٹی ہوٹل ڈی فرانس میرے مذاق اور میلان کے منافی تھا لیکن پی آئی اے کے رابطہ افسر کا چناؤ تھا اور مجھے صرف رات ہی بسر کرنا تھی۔ صبح سویرے اٹھا غسل کیا نماز پڑھی احرام باندھا۔ قدرے جھجک محسوس ہوئی کہ اچھا خاصا آدمی لپٹ کے رہ جاتا ہے لیکن احرام باندھ چکا تو کایا ہی پلٹ گئی۔ محسوس ہوا گویا دنیا ہی دوسری ہے۔ ایک اہتزاز خون میں گردش کرنے لگا ایک نشہ ایک سرور رگ و ریشہ میں دوڑ گیا۔ ایئرپورٹ پہنچا تو وہاں بارہ چودہ آدمی جن میں اکثریت اٹھارہ سے بائیس برس کے میمن نوجوانوں کی تھی احرام باندھے موجود

تھے میں نے اپنے دل کو ٹٹولنا چاہا کہ احرام باندھنے سے پہلے اس کو جھجک کیوں ہوئی؟ پھر خود ہی اس خیال سے اطمینان ہو گیا کہ ——— عشق کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس قسم کی جھجک عموماً ابھرتی ہے ممکن ہے یہ جھجک اس لیے پیدا ہوئی ہو کہ احرام کا بھی ایک مطالبہ ہے دل میں غیر اللہ ہو، خوف یا شرک دونوں حالتوں میں احرام کی غیرت ان کے اخراج کا مطالبہ کرتی ہے "لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک، لاشریک لک" کہنا آسان نہیں جب تک دل شرک اور خوف سے دھل نہ جائے احرام سے جو شخصیت پیدا ہوتی وہ ابھرتی نہیں مدھم رہتی ہے میرا دل شرک اور خوف دونوں سے تہی تھا اور ہمیشہ ہی رہا لیکن جھجک پیدا ہوئی تو شاید اس لیے کہ احرام ہر شخص باندھ لیتا ہے لیکن اس کی رفعت ہر شخص کے حصہ میں نہیں آتی. بہرحال احساس کی ایک لہر تھی آنکھ کی جھپکی میں نکل گئی زندگی خوشیوں اور غموں کا مجموعہ ہے بعض غم مسرت افزا ہوتے ہیں بعض خوشیاں غم افزا لیکن اس خوشی کے بے پناہ ہونے میں رتی بھر شک نہ تھا یہ پاسنگ کے سونے کی طرح خالص خوشی تھی اس میں کوئی ملاوٹ اور کوئی آمیزش نہ تھی۔

عشق کی محرومی یہ ہے کہ زبان نہیں رکھتا ہم اس کی ترجمانی کے لیے جو الفاظ بولتے ہیں وہ اس کے ترجمان نہیں ہوتے جذبات کا ادھورا عکس ہوتے ہیں۔ جس طرح بعض چیزوں پر کاغذ کی تہیں چڑھا دی جاتی ہیں اسی طرح عشق الفاظ کی تہوں میں لپٹ کر ملفوف ہو جاتا ہے اس سے بڑی فخر و مسرت کی بات کیا ہوتی کہ طلبی ہوئی اور میں روانہ ہو گیا۔

دل اور جہاز دونوں اُڑتے چلے جا رہے تھے بحرین کے ہوائی اڈے پر جہاز ۴۵ منٹ ٹھہرا یہاں سے عرب شروع ہو جاتے ہیں لیکن انگریزوں کے تصرفات نے بحرین کو تاراج کر دیا ہے ایئرپورٹ پر شراب کی ایک کھلی دکان ہے ادھیڑ عمر کی ایک دلندیزی عورت اس کی مہتمم ہے وہ ہر نوعی شراب کی بوتلوں کے پیش منظر میں کھڑی مسافروں کو گھورتی اور پچکارتی ہے فربہ اندام جیسے سفید تھیلے میں گودا بھرا ہو چہرے پر پیلے رنگ کی بندیاں ہیں جیسے کسی سفید کاغذ پر تجریدی آرٹ کی مشق میں سیاہی کے قطرے ٹپک گئے ہیں۔ یہ عورت غالباً ان بوتلوں کے ساتھ ہی درآمد کی گئی ہے بحرین عربوں کے حاشیہ میں یورپی تہذیب کا دم واپسیں ہے استعمار نے اس کا خون نچوڑ لیا اور اس کی جگہ شراب دے گیا ہے۔

پاکستان کے ساحل سے حجاز کے ساحل تک عدن، ابوظہبی، کویت، بحرین، مسقط وغیرہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں نفس کی حکمرانی ہے ——— اللہ کے والی شکروں سے شکار کرتے ہیں۔ ہر نوعی شکار پرندوں سے لے کر عورتوں تک کا شکار ان کے امراء مسلمان کہلانے کے باوجود قبل از اسلام کے ایام جہالت میں زندگی بسر کرتے اور اپنے حقیقی شرف کو بھول چکے ہیں ان کے لیے تیل کے چشموں نے دولت کے پٹ کھول دیئے ہیں ان کی زمینیں دولت اُگلتی اور نفس عیش مانگتے ہیں ان کے حرم حُسن و جوانی کے مذبح ہیں یہ زندگی گزارنے کے لیے نہیں زندگی نچوڑنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

میں نے بحرین کے ہوائی اڈے پر کسی عرب کے چہرے کو شگفتہ نہیں پایا وہ غیرت جو رونق پیدا کرتی ہے ان کے چہروں سے اُڑ چکی ہے عرب دنیا میں امیروں

اور غریبوں کے درمیان واضح طور پر حد فاصل کھچی ہوئی ہے امراء زندگی گذارتے ہیں اور غرباء کو زندگی بسر کرتی ہے نئی نسلیں ان سے ابا کرتی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا عرب کا نیا خون کب تک اسلام کا ساتھ دے گا اور اسلام کب تک انہیں ساتھ لے کر چلے گا۔ وہ قیامت ضرور آنی چاہیئے اور آ کر رہے گی جس کی خبر قرآن نے دی ہے یہ تمام اس کی نشانیاں ہیں جو بحرین سے جدہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔

بحرین سے اُڑتے وقت تھوڑی دیر تک میں غیر متوازن خیالوں کی کش مکش میں اُلجھا رہا افکار کے طلوع و غروب کا ایک عجیب سلسلہ تھا جس نے میرے دل و دماغ کو ہلا رکھا تھا لیکن جلد ہی میری سوچ پر میرا عشق غالب آ گیا۔

ایئر ہوسٹس نے کہا تھوڑی سی دیر میں ہم جدہ کے ایئر پورٹ پر اُترنے والے ہیں اُمید ہے آپ کا سفر خوشگوار گزرا ہو گا میں نے جھروکا سے باہر جھانکا تو پہاڑی سلسلے کاکلوں کی طرح پھیلے ہوتے تھے اور پھر تھوڑی سی دیر میں ہم جدہ کے ایئر پورٹ پر اُتر گئے ——— لبیک اللھم لبیک پاسپورٹ وغیرہ کی چیکنگ تو فوراً ہو گئی تکلیف نہ تاخیر لیکن کسٹم والوں نے دو گھنٹے تک گھیرے رکھا ان کے ہاں سب سے زیادہ خطرناک چیز کتابیں، اخبار اور رسالے ہیں۔ اصل وقّت زبان کی ہے کلام اللہ کا اردو ترجمہ بھی یہاں روک لیا جاتا ہے لیکن لبنان کے عربی جراید و رسائل بالخصوص جن میں حوّا کے بیٹوں اور زلیخا کی ہم نشینوں کا نخرہ نمایاں ہوتا ہے۔ ہر قدغن سے آزاد ہیں وہ روزانہ آتے اور روزانہ بکتے ہیں حرمین شریفین کے آس پاس کی دوکانوں میں بکتے ہیں اور ان کی خریداری عورتوں میں بکثرت ہوتی ہے۔ ان برہنہ و نیم برہنہ رسالوں پر کوئی پابندی نہیں پابندی اس لٹریچر پر ہے جس کے متعلق یقین کیا شبہ ہو کہ اس

میں مزاجِ شاہی پر چوٹ کی گئی ہے ——— ؏

نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن نہ دارد

شراب، چرس اور کتاب تینوں پر کسٹم کی نگاہیں رہتی ہیں۔ لطف یہ کہ کتاب یا رسالہ کسٹم سنسر نہیں کرتا وہ محکمہ تعلیم کے پاس جاتا اور محکمہ تعلیم کے ارکان کی مرضی پر ہے کہ وہ مہینوں اور ہفتوں میں سنسر کریں۔ چاہے روک لیں چاہے پاس کر دیں میں اپنے ساتھ علامہ اقبالؒ کے خطبات و کلمات کا مجموعہ فیضان اقبال لے گیا تھا لیکن روک لیا، میں پندرہ روز رہ کر واپس آ گیا "فیضان اقبال" سنسر نہ ہو سکا کتابیں ان کے سنسر آفس میں کوڑا کرکٹ کی طرح پڑی رہتی ہیں۔ قرآن پاک کے ترجمے بھی ان میں گڈمڈ ہوتے ہیں کوئی تخصیص یا کوئی احترام نہیں بس جو شخص وہاں بیٹھا ہے اس کی مرضی کا نام سنسر ہے اور اس کی فرصت کا نام وقت، میں نے کسٹم کے مہتمم سے بہتیرا کہا کہ ان کتابوں میں کوئی بات مضر نہیں یہ تو اس شخص کے کلمات کا مجموعہ ہے جو حجاز کے عشق میں گندھا ہوا تھا لیکن اس نے پھٹے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا۔ آخر فیضان اقبال کے تمام نسخے وہیں چھوڑے باہر کچھ دوست انتظار کر رہے تھے اور سبھی میرے لیے نئے تھے میں ان سے کبھی نہیں ملا تھا انہیں مختلف واسطوں سے ایک محبت کھینچ لائی تھی ہمارے رفیق قلم اقبال سہیل تھے اس سے پہلے انہیں دیکھا تک نہیں تھا لیکن قلم کی رفاقت نے رشتہ خاطر پیدا کر دیا تھا مخفی تامت لیکن ذکاوت میں کہسار، ملک عباس حسین جن کے نام سے یہ اوراق منسوب ہیں الخبر (ظہران) میں تھے انہیں بھی دیکھا نہیں تھا لیکن میرے اس سفر کی دستگیری کر رہے تھے۔ ان کی طرف سے الفضل میڈیکل سٹور کے مالک فضل حق موجود تھے انہوں نے بتایا کہ

ملک صاحب کل پرسوں تک آرہے ہیں آپ کے لیے پندرہ سو ریال کا ڈرافٹ بھجوایا ہے اور آپ ان کے مہمان ہیں ایک ایسا دوست جس سے میں آج تک نہیں ملا تھا۔ اس کا یہ احسان میرے لیے انعام ایزدی تھا۔ فضل حق کے ہمراہ ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک نوجوان محمد اشفاق قریشی اپنی کار لے کر آئے تھے راؤ محمد اختر اور ان کے بعض دوست جماعت اسلامی کی وجہ سے تشریف لائے تھے ان سب دوستوں سے مصافحہ اور معانقہ کیا پھر اپنی بے مائیگی کی سرافرازی سے خوش ہو کر ان کے ہمراہ ہو گیا۔ میرے دل کی جو کیفیت تھی قلم سے سمیٹنا مشکل ہے نسیم حجاز سے مشام جاں معطر ہو رہا تھا میں بیت اللہ اور رسول اللہ کی سرزمین میں آچکا تھا۔

ایک عام کیفے میں جو سڑک کے کنارے واقع تھا قہوہ پیا کچھ اس میں سرور تھا کچھ عشق نے سرور پیدا کیا وہ آتشہ ہو گیا یہ تھا آقائے گیتی پناہ کے ہاں پہلا مشروب ؎

به عذر خواهی رندان باده نوش آمد

میں ظہر کے وقت جدّہ پہنچا اور عصر کی نماز بیت اللہ میں پڑھنا چاہتا تھا دل مچلا ہوا تھا کہ جلد سے جلد بیت اللہ پہنچوں، ہم چاروں فوراً روانہ ہو گئے موٹر فراٹے بھرنے لگا مکہ مکرمہ تک دُہری سڑک ہے ایک سے موٹریں آتی اور دوسری سے جاتی ہیں۔ وسط میں دو بازوؤں کی طرح بجلی کی ٹیوبیں پھیلی ہوئی ہیں آزو بازو پہاڑوں کا زاویے بنا ہوا سلسلہ ہے اس کے بیچوں بیچ سڑک اس طرح نکلتی ہے جس طرح کسی دوشیزہ کی مانگ نکلی ہو جدّہ کی بھیڑ چھٹ جاتی اور روشنیوں کے آویزے ایک حد پر ختم ہو جاتے ہیں پھر پہاڑ سڑک کا ہالہ کرتے یا سڑک پہاڑوں میں بہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اتنی صاف سڑک کہ ہر چیز ستھری نظر آتی ہے محبوب کے راستے ہمیشہ دلفریب

ہوتے ہیں آخر تک پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ مرصع و مسجع عبارتوں کی طرح صدیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے گویا منہ میں گھنگھنیاں ڈالے کھڑے ہیں لیکن کبھی گویا ہوں گے آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو سراندیپ سے ہوتے ہواتے عرب پہنچے تھے۔ حضرت حوّا کی قبر جدّہ ہی میں بیان کی جاتی ہے۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں میں جانے کون یہاں سے گزرا ہوگا! یہ پہاڑ تب سے اب تک کھڑے ہیں، چپ چاپ، جیسے یہ کہہ رہے ہوں؟

گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

پہاڑ کیا؟ دھرتی کے جوڑے کی گندھاوٹ ہیں ان کے کئی سلسلے اور کئی نام ہیں جبل قائم پر گماں ہوتا ہے کہ زمین نے اپنا علم گاڑ رکھا ہے اور جبل عمامہ گویا دھرتی کے سر پر عمامہ بندھا ہو۔ جدّہ کے حدود سے نکلتے ہی گاؤں شروع ہو جاتے لیکن سارے راستہ میں چھ سات بستیاں ہوں گی بحرّہ ہے جہاں پولیس کی چوکی ہے اور پاسپورٹ وغیرہ کی چھان پھٹک ہوتی ہے اس کے بعد وادی فاطمہ ہے سرسبز زرخیز کہ ساری وادی قدرتی چشموں کے پانی سے سیراب ہوتی ہے یہاں سبزیاں اور پھل بکثرت ہوتے اور دساور کو جاتے ہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا قدیمی راستہ اسی وادی سے گزرتا ہے حضورؐ نے ہجرت کی تو اسی راستہ سے گئے تھے ساڑھے تیرہ سو برس بیت چکے ہیں لیکن قدموں کی چاپ اب بھی سنائی دیتی ہے اس سے کچھ آگے حد کا گاؤں اور اس سے ملحق حدیبیہ ہے یہیں سے حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں کتبہ لگا ہوا ہے کہ اس کے اندر کوئی نامسلمان داخل نہیں ہو سکتا ہم نے موٹر روک لی کہ دو نفل پڑھ لیں دیہاتی انداز کی ایک مسجد جانے کس زمانے سے چلی آتی ہے۔

باہر کچھ لوٹے پڑے ہیں ایک بدو لڑکا پانی لایا ہم سب نے باری باری وضو کیا نفل پڑھے، میں وضو کر رہا تھا بدو لڑکا ہانک پکار رہا تھا یا شیخ —— لیکن میں یا شیخ کے سوا کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔ فضل حق سے کہا یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے وہ مسکرائے اور بتایا کہ یہ کہتا ہے اے شیخ تمہارا وضو نہیں ہوا دائیں ٹخنے پر پانی نہیں پڑا وہ خشک ہے تر کر لو۔ حدیبیہ کے میدان میں کھڑے ہو یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کا آخری نبیؐ اور اس کے جانثار ساتھی آئے تھے۔ سہیل نے بتایا کہ وہ دائیں طرف کی پہاڑیوں کے عقب میں کفار مکہ کا لشکر تھا اور ادھر بائیں ایک پہاڑی کے دامن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چودہ سو لشکریوں سمیت فروکش تھے۔ جہاں بیعت رضوان ہوئی۔ اس درخت کی جڑیں حضرت عمرؓ نے شرک کے خوف سے اکھاڑ دی تھیں اب وہ جگہ جہاں صلح نامہ حدیبیہ لکھا گیا ایک چار دیواری میں محفوظ کر دی گئی ہے لیکن اس پر کوئی تختی یا کتبہ نہیں۔

حدیبیہ مکہ معظمہ کے پڑوس میں دس میل کے فاصلہ پر ہے گاؤں بھی ہے اور کنواں بھی، کنوئیں کی وجہ سے گاؤں کا نام پڑا یا گاؤں کی وجہ سے کنواں حدیبیہ ہو گیا۔ بہر حال صلح حدیبیہ نے اس کو زندہ جاوید کر دیا کہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ کے لیے روشن ہو گیا۔

سہیل نے بتایا کہ وہ سامنے کے پہاڑوں میں حضورؐ نے مکہ سے مدینہ کا سفر اختیار کیا اور انہیں کاٹتے ہوئے وادی فاطمہؓ کی سمت سے مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔ میں نے پہاڑوں پر نظریں جما دیں اور نگاہوں سے ذرہ ذرہ کو بوسہ دیتا رہا ہر نگاہ قدم چومتی گئی اور ہر سانس میں وہ آوازیں گھلتی رہیں جو ازل سے ابد تک کے ان عظیم

انسانوں کے حلق سے نکلیں اور خلق تک پہنچی تھیں میں نے قرنوں کا سفر آن واحد میں طے کر لیا۔

عروہ قریش کے نمائندہ ہو کر آئے اور جا کر ان سے کہا میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو وارفتگی اور شیفتگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے ساتھیوں کو ہے وہ دیکھی نہ سُنی، وہ بات کرتے ہیں تو ساتھی گوش بر آواز ہو جاتے کوئی نظر بھر کر نہیں دیکھتا وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے وہ اس پر لوٹ پڑتے ہیں لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت مند چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں قریش کہاں مانتے وہ لڑائی کی ٹھان کے نکلے اور مکہ سے باہر بلدرح میں جمع تھے۔ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا کہ مکہ جائیں اور قریش سے کہیں کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں اس کے بعد لوٹ جائیں گے وہ گئے تو افواہ اڑ گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے حضورؐ تک خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا خون عثمانؓ کا قصاص لینا فرض ہو گیا ہے اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ عشق نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ببول کا درخت تھا اور حضورؐ ساتھیوں سے بیعت لے رہے تھے۔

خیال نے ایک اور کروٹ لی معاہدہ حدیبیہ لکھا جا رہا ہے حضرت علیؓ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو عمرو بن سہیل نے اعتراض کیا کہ باسمک اللھم۔ لکھیں حضورؐ نے منظور فرمایا حضرت علیؓ نے لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ نے تسلیم فرمایا، عمرو بن سہیل نے دوبارہ اعتراض کیا کہ ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں حضورؐ نے فرمایا گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم میں اللہ کا پیغمبر ہوں حضرت علیؓ کو حکم دیا خالی میرا نام لکھو علیؓ ہچکچائے وہ رسولؐ اللہ کے الفاظ کیونکر مٹاتے! حضورؐ نے ان الفاظ پر خود قلم پھیر دیا۔ عمرو بن سہیل نے معاہدہ اٹھایا تو حدیبیہ کے پہاڑوں

نے کہا اس کی عمر زیادہ نہیں کہاں جاتے ہو ہم اپنے دامن پر یہ الزام لینے کو تیار نہیں کہ اللہ کا آخری نبی یہاں سے عمرہ کیے بغیر مڑ گیا تھا۔

حضورؐ تین دن حدیبیہ میں ٹھہرے ـــــ مدینہ لوٹتے تو راہ میں یہ سورۃ اُتری۔

اِنّا فتحنا لک فتحاً مبینا (فتح)

(ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی) ـ

ـــــ اور حدیبیہ کے پہاڑ اگلے سال سچے ہو گئے۔

ان پہاڑوں کے پیچ وخم اور ان راستوں کے زیر وبم پر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ چودہ سو برس پہلے وہ قافلہ گھر سے کس طرح نکلا اور کس طرح مدینہ پہنچا ہوگا لیکن وہ ایک انسان کا نہیں اللہ کے ایک پیغمبرؐ کا سفر تھا۔ جو آخری حجت کے طور پر مبعوث کیا گیا اس کے لیے مشیت ایزدی نے پہاڑوں کی مسافت کو سہل اور راستوں کی مشکل کو آسان کر دیا تھا

میں بیت اللہ کے تصوّر میں اتنا گم سم تھا کہ گرد وپیش ـــ تاکنے جھانکنے کا سوال ہی نہ رہا تھا۔ لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے ہم کہیں آگے نکل چکے تھے پوری فضا میں تکبیریں سانس لے رہی تھیں اور پہاڑوں سے ان حدی خوانوں کے لہجے سنائی دے رہے تھے جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ واصل بحق ہو چکے تھے۔

میرے کانوں میں الا یا خیمگی خیمہ فروہل کی صدائیں گونج رہی تھیں میں قرنِ اوّل میں سے گزر رہا تھا تاریخ پلٹے کھا رہی تھی ورق پہ ورق الٹے جا رہے تھے۔ کبھی یہ شاہراہیں، پگڈنڈیاں تھیں جنہیں بدوؤں کی نقل وحرکت نے بنایا اور قافلوں کی آمد ورفت نے سنوارا تھا۔ میں نے سلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کی مسافتوں کو یاد کیا

وہی انسان وہی شخصیتیں آ جا رہی تھیں جلال بھی تھا جمال بھی۔ سیدنا ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہ کس راستے سے آئے اور لوٹے تھے۔ تاریخ کی وہ صحبتیں سامنے نہ تھیں لیکن عشق کی مشعلوں نے وجدان کے راستے روشن کر دیئے تھے۔ اور میں دیکھ رہا تھا کہ ابراہیمؑ اور ہاجرہ مکہ کی پہاڑیوں کی طرف چلے جا رہے ہیں ایک غریب الدیار قافلہ بڑھ رہا ہے ـــ وادی غیر ذی زرع کی طرف! خدا کا گھر بسانے، اس گھر کی نیو اٹھانے اور اس کو شکل دینے جو ابدالآباد تک آباد رہے گا۔ جہاں خدا کے آخری پیغمبرؐ کی آخری حجت قائم ہوگی جہاں لیل ونہار کی گردشیں تعظیماً ٹھہرا کریں گی۔ جہاں ملائکہ کا انبوہ ہوگا جہاں رہتی دنیا تک دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک سیکنڈ بھی بغیر طواف نہ گزرے گا۔ جہاں سال بھر لاکھوں انسان جمع ہوتے رہیں گے۔ جہاں اس قافلہ کے پیر ہوں گے وہاں انسانوں کی سجدہ گاہ ہوگی۔

اس وادیٔ غیر ذی زرع (بنجر زمین) کو یہ شرف ہوگا کہ سب سے بڑی جلوہ گاہ بن جائے گرۂ ارضی کے ہر گوشہ سے انسان کھچ کھچ کے وہاں آتے رہیں۔ اس کی بولی پر تمام بولیاں نثار ہوں، وہ کائنات انسانی کا مرکز ثقل ہو، وہ سلام کا مولد رسالت کا وطن اور قرآن کا مہبط قرار پائے۔ اس بنجر زمین سے کائنات کی کھیتیاں ہری ہو جائیں اور اس کے بسانے والوں کی پیرو ایک الٰہی اُمّت ہو جو شمالاً جنوباً، شرقاً غرباً اپنے معبدوں کا رخ اس کی طرف پھیر دے جہاں تنہاں عبادت الٰہی کا چراغ روشن ہو اس کی لو اسی طرف ہو دنیا بھر کی مسجدیں اس کی بیٹیاں کہلائیں۔

حرم کے نزدیک سڑک اس طرح چکّر کاٹتی ہے جس طرح ہمارے ہاں کے گبرو جوان پٹکا باندھتے ہیں۔

میں دیکھ رہا تھا کہ ہاجرہ اپنے لختِ جگر اسماعیل کے ہمراہ شانہ پر مشکیزہ اور ہاتھ میں روٹی لیے چلی جا رہی ہیں اسی وادیٔ غیر ذی زرع کی طرف جسے ابد تک کے لیے زندہ ہونا تھا اور جس کی پہاڑیاں ان کے قدم لینے کے لیے بے قرار تھیں انہیں غیرت کے اس آبگینے، استقامت کے اس پہاڑ اور عبادت کے اس سہ رکنی قافلہ کا انتظار تھا۔

حضرت ابراہیم عراق میں اُر سے نکلے حرّان چلے گئے۔ وہاں سے فلسطین، فلسطین سے مصر اور مصر سے حجاز۔ حجاز میں کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی۔ اسماعیلؑ اینٹیں چنتے ابراہیمؑ گارا لگاتے اور اس طرح ایک گھر جو اس وقت تنہا تھا اللہ کے نام پر آباد ہو گیا۔ ابراہیمؑ نے اپنے بھتیجے حضرت لوط کو شرق اردن بھجوایا کہ وہاں دعوتِ ربانی کا مرکز قائم کریں شام و فلسطین میں حضرت اسحاق کو مامور کیا اور اندرونِ عرب کا علاقہ حضرت اسماعیلؑ کو سونپ دیا۔ کہ اللہ کے آخری نبیؐ کو آپ کی اولاد میں سے ہونا تھا ——— قریش کی بنا رکھی گئی۔

تاریخ افکار سے پیدا ہوتی، کردار سے پرورش پاتی پھر شاہراہوں میں اپنے نقشِ پا چھوڑ کر انسانوں کے حافظہ کی سرگزشت ہو جاتی ہے۔

لبیک اللھم لبیک! ناقہ کہاں کہ میں اس کی مہار تھام کر حرم کے حدود میں داخل ہوتا کہ یہ بھی سنتِ نبویؐ ہے دل نے کہا کہ پلکوں سے موتی چنو وہاں آ گئے ہو جہاں ابراہیمؑ آئے تھے، ہاجرہ آئی تھیں، اسماعیل آئے تھے، جہاں محمدؐ پیدا ہوئے تھے اور جہاں وقت کے بہترین انسانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا تھا، جہاں بدترین انسانوں نے ان کی نافرمانی کی تھی، ان کا مذاق اڑایا تھا اور وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے

پھر جہاں وہ فاتح کی حیثیت سے اس طرح لوٹے تھے کہ ابو سفیان ہی کا گھر سب کی پناہ گاہ بنا دیا تھا جہاں بادِ صبح گاہی میں محمدؐ کی سانسیں چلتی اور شب کے آویزے (تارے) ان کے آنسوؤں سے تیار ہوتے تھے۔ جہاں اب بھی بلالؓ کی اذانیں محفوظ ہیں اور سنی جاتی ہیں جہاں ہر چپہ ایک تاریخ ہے جہاں ایک عہد کے سب سے بڑے انسان عمریں بتا گئے ہیں جہاں ان کی مشعلیں روشن ہیں جہاں ان کے نقشِ قدم سنگِ میل ہیں جہاں جبرئیل آتے رہے وحی نازل ہوتی رہی اور قرآن اُترتا رہا۔

بیت اللہ کے مینار ابھر آئے اور میں ان پہاڑوں سے گزر رہا تھا جس میں سے ایک پہاڑ (کوہ صفا) پر چڑھ کے حضورؐ نے فرمایا تھا۔

اے معشرِ قریش! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا سب نے کہا ہاں کیونکہ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو آپؐ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب نازل ہو گا۔

یہ سن کر وہ لوگ کہ ان میں آپ کا چچا ابو لہب بھی تھا برہم ہو کر چلے گئے لیکن خدا کا آخری پیغمبر اعلان کر چکا تھا کہ

اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں آؤں گا مجھے اللہ تعالیٰ نے آخری حجّت کے طور پر مبعوث کیا ہے اللہ ایک ہے محمدؐ اس کے رسول ہیں، سب عبادتیں اس کی ایک ذات کے لیے ہیں۔

ان بتوں کو تم نے اللہ بنا لیا ہے یہ پتھر کی مورتیاں ہیں اور کوئی شے نہیں

اپنے اللہ کی عبادت کرو اس کی نماز پڑھو پاک دامنی اختیار کرو سچ بولو
اہل قرابت کا حق ادا کرو۔

وہ پہلے دن تنہا تھا اس کے ساتھ صرف اس کا خدا تھا پھر وہ دو ہو گئے دو سے تین اور تین سے پانچ حتیٰ کہ بعجلت ایک کارواں بن گیا نئی دنیا نے جنم لیا اور اس طرح ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

یہ مکہ ان زندہ و پائندہ انسانوں کا گھر ہے جو بظاہر ہم میں نہیں لیکن ہر لحظہ ہم میں ہیں اور جن پر دنیا بھر میں جہاں جہاں اسلام کی آواز ہے دن میں کئی کئی دفعہ درود و سلام بھیجا جاتا ہے جس طرح بدلیاں پانی کے ڈول بھر کر چلی آتی ہیں اس طرح کرہ ارضی کی ہوائیں ان کے لیے درود و سلام کے گلدستے لے کر آتیں اور لٹا کر لوٹ جاتی ہیں صدیوں سے صبح و شام یہی ہو رہا ہے اور یہ قافلہ ابد تک کے لیے رواں دواں ہے۔

سلام ہو اس زمین پر جس کے ویرانے نے ہمیں آباد کیا اور جس کے نشیب پر دنیا بھر کی بلندیاں کھنچی چلی آتی ہیں سب سے بڑی سجدہ گاہ! جہاں ایک پتھر کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ کروڑوں انسان صبح و شام ایک عظیم انسانؐ کے اتباع میں اسے بوسہ دیتے اور یہ اعزاز ——— صبح محشر تک اسی کے لیے خاص ہو گیا ہے ——— لبیک اللھم لبیک۔

مکۂ معظمہ

جہاں اپنی جبیں اپنی جبیں معلوم ہوتی ہے

بیت اللہ کی ہیبت مجھ پر چھا گئی پھر ایک لہر تھی کہ صدیوں کی سرگزشت سمیٹتی ہوئی نکل گئی ایکا ایکی سینکڑوں وور خیال کی سی تیزی لیے بیت گئے اور وہ دل جو ابھی تک مرعوب تھا خوشی سے جگمگا اٹھا میں وہاں تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے عرش و فرش کی تمام فضیلتیں جمع کر دی ہیں جہاں چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ملاءِ اعلیٰ سے درود وسلام کی جھولیاں بھر بھر کے لاتے اور بندگان تسلیم و رضا کو پہنچاتے ہیں۔

بیت اللہ مکۂ مکرمہ کے نشیب میں اس طرح ہے جس طرح نون کے وسط میں نقطہ یا کٹورے کی تہہ کا دائرہ اس نشیب کو مسجد الحرام نے آغوش میں لے رکھا ہے اور مسجد الحرام کے چاروں طرف پہاڑ کھڑے ہیں پہاڑوں کا یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے مسجد الحرام کے تین پرت ہیں دو اَب تیار ہوتے ہیں — کچھ حصہ —— ابھی بن رہا ہے۔ پہلے پتھر باہر سے آتا تھا اب حجاز کی پہاڑیوں سے قدرے سفید، قدرے سبز اور قدرے سُرخ پتھر کی سلیں نکلی ہیں جنہیں مسجد الحرام کو پھیلانے اور بڑھانے

میں لگایا جارہا ہے تیسرا پرت ترکوں کے زمانہ سے ہے اور ان کے عہد کی معماری کا نمونہ ہے۔ چوتھا حصہ کھلا ہے جس میں حرم کی پوری تاریخ اپنی نشانیوں سمیت موجود ہے وسط میں بیت اللہ ہے، ایک مستطیل عمارت ۴۵ فٹ اونچی ــــ ۴۴ فٹ شمالاً وجنوباً اور شرقاً وغرباً ۳۳ فٹ! تاریخ اور عقیدے کی روائتوں کے مطابق اس کی تعمیر متعدد بار ہوئی ہے لیکن اس کی بنیاد اول ابراہیمؑ نے رکھی اور آخری بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمؑ اور محمدؐ نے جہاں کھڑے ہو کر گارا اور اینٹیں جوڑیں اور ان کو اپنی مستجاب دعاؤں سے ہمیشگی بخشی وہ دونوں جگہیں محفوظ ہیں۔ عقیدہ کی روایت ہے کہ پانی نے زمین کی شکل اختیار کی تو سب سے پہلے زمین کا جو ٹکڑا وجود میں آیا فرشتوں نے ٹھیک اسی جگہ تحت الثریٰ پر خانہ کعبہ کی بنیاد استوار کی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہبوطِ آدمؑ سے کئی ہزار سال پہلے فرشتوں نے اُسے تعمیر کیا، ایک اور روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لفظ کُن سے اس کی تعمیر ہوئی جب آثار محو ہو گئے تو حضرت آدمؑ نے جبرئیلؑ کی نشاندہی پر اس کی نیو اٹھائی۔

ــــــــ حضرت ابراہیمؑ نے کلام اللہ کی شہادت کے مطابق اس کی بنیادوں کو پھر سے اٹھایا اور طوفان نوحؑ سے جو گھر منہدم ہو گیا تھا اللہ کے اس گھر کو دوبارہ آباد کیا۔ خلیل اللہ کو حکم الہٰی ہوا کہ اس کی دیواریں بلند کرو، اسماعیلؑ اینٹیں اور گارا ڈھوتے اور لاتے ابراہیمؑ جوڑتے اور بناتے اس طرح یہ گھر تیار ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق حرا، طور، زیت، سینا اور جودی پہاڑوں کے پتھر اس کی دیواروں میں چُنے گئے تب اونچائی ۹ گز لمبائی ۲۲ گز اور چوڑائی ۲۳ گز رکھی گئی۔ لیکن چھت نہ ڈالی گئی کئی دفعہ پانی اور آگ نے اس کی ہیئت پر حملہ کیا لیکن سب حملے سپر انداز ہو گئے۔

ابرہہ اپنے کہسار قامت ہاتھیوں پر ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے گھر سے نکلا لیکن لب بام آکر اس طرح مارا گیا کہ ایک لشکری بھی زندہ نہ رہا عمالقہ اور جرہم اس کی مرمت کرتے رہے۔ قصی بن کلاب نے تولیت کعبہ کی ذمہ داری اٹھائی اس کی رحلت پر اس کا بیٹا عبد مناف نگران ہو گیا۔ قریش سے پہلے بیت اللہ پر کوئی چھت نہ تھی قریش نے باہمی مشوروں سے چھت ڈالنے کا فیصلہ کیا جدہ میں ایک تجارتی جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کر بیکار ہو گیا تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر اس کے تختے خرید کئے اور واپس آکر پہلی دیواریں ڈھا کر نئی عمارت اٹھائی اس پر چھت ڈالی چونکہ لکڑی ناکافی تھی اس لیے ابراہیمی بنیادوں پر چھت ڈالنے سے جو جگہ خالی رہ گئی اس کا نام حطیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حطیم کو مسقف کیا لیکن یزید کے سالار حصین بن نمیر نے مکہ پر چڑھائی کی تو کوہ ابوقبیس سے بیت اللہ پر آتش باری کی جس سے غلاف کعبہ جل گیا اور دیواریں شکستہ ہو گئیں اسی دوران میں یزید کا انتقال ہو گیا تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا عبدالملک ۷۲ھ میں خلیفہ ہوا تو اس نے مکہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت ختم کرنے کے لیے حجاج بن یوسف کو بھیجا حجاج نے بیت اللہ کو گولہ باری کا نشانہ بنایا عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے چونکہ عبدالملک کو عبداللہ بن زبیرؓ سے بغض تھا اس لیے حطیم سے چھت اڑا دی عمارت کو دوبارہ بنوایا

ہارون الرشید نے اپنے زمانہ میں امام مالکؒ سے فتویٰ پوچھا کہ میں اسے منہدم کر کے از سر نو عبداللہ بن زبیرؓ کی بنیادوں پر تعمیر کر دوں تو آپ نے فرمایا "نہیں ایسا

کرنے کی ہرگز اجازت نہیں اسے بادشاہوں کا کھیل نہ بناؤ کہ جب دل میں آیا ڈھا دیا جب چاہا بنا دیا نتیجۃً بیت اللہ حکمرانوں کی مشق ناز سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگیا۔ اس کے بعد کسی نے ڈھانے اور اٹھانے کا حوصلہ نہ کیا البتہ مختلف زمانوں میں مختلف فرماں رواؤں نے اس کی مرمت کروائی اپنے اپنے وقت میں سلطان احمد اور سلطان مراد نے اس کی شکستہ دیواریں بدلیں سلاطین عثمانیہ اکثر مرمت و توسیع کرتے رہے، اب سلطان عبدالعزیز سے شاہ فیصل تک آلِ سعود نے یہ خدمت اپنے ذمّے لے رکھی ہے علامہ رزاقی کی روایت کے مطابق ان کے زمانہ تک کعبۃ اللہ گیارہ مرتبہ بنایا اور سنوارا گیا سب سے پہلا غلاف سلام سے نوصدی پہلے یمن کے بادشاہ تبّع حمیری نے چڑھایا۔ پھر اسعد حمیری نے ان کے بعد قریش مکّہ نے غلاف کو مستقل کر دیا انہوں نے حریر کا غلاف چڑھایا، حضورؐ نے یمنی اور قباطی چادر کا، خلفائے راشدین نے آپؐ ہی کا اتباع کیا عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر معاویہؓ نے دیباج کا بنوامیّہ نے دیبا کا پھر مختلف قسم کے نفیس و اعلیٰ ریشم استعمال کیے گئے مامون رشید ہر سال تین پردے چڑھایا کرتا آٹھویں ذی الحجہ کو دیبائے احمر کا یکم رجب کو قباطی کا ۲۷ رمضان المبارک کو دیبائے سفید کا متوکل عباسی نے بھی مامون کی تقلید کی البتہ ناصر عباسی نے پہلی دفعہ سیاہ رنگ کا ریشمی غلاف چڑھایا۔

سلطنت عباسیہ کی جگہ سلاطین ترکی نے لی تو پہلا بادشاہ جس کو یہ شرف حاصل ہوا وہ الظاہر بیبرس صالحی شاہ مصر تھا سلطان صالح بن سلطان قلاؤں نے مصر میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے دو گاؤں مصارف غلاف کے لیے وقف کئے سلطان سلیمان نے اپنے عہد میں مزید چند گاؤں کا اضافہ کر دیا ان سے پہلے ۱۴۵ھ میں

مہدی حج کے لیے آیا تو بیت اللہ غلافوں سے اٹا پڑا تھا۔ اس نے تمام پرانے غلاف اُتروا دیئے اور صرف ایک غلاف رہنے دیا تب ہر سال پرانا غلاف اُتارنے اور نیا غلاف چڑھانے کی رسم پڑ گئی۔ پہلے پہل غلاف کے مختلف رنگ رہے کبھی سفید کبھی سیاہ کبھی سبز کبھی سُرخ! لیکن عباسی خلفاء نے سیاہ رنگ مخصوص کر دیا اور تب سے اب تک یہی رنگ چلا آرہا ہے محمد علی پاشا کے عہد سے مصری حکومت نے ہر سال غلاف بھیجنے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ ایک کارخانہ مصر میں غلاف کی تیاری کے لیے قائم کیا گیا جو اب بھی ہے اور اس کے سپرد صرف غلاف کی تیاری کا کام تھا۔ ہر سال تقریباً پچاس ہزار مصری پونڈ اس پر صرف ہوتے پہلے یہ غلاف مصر سے محمل میں آیا کرتا اور اعیان سلطنت اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اب آل سعود کی حکومت نے وہ رسم تقریباً ترک کر دی ہے بلکہ غلاف حجاز ہی میں تیار ہونے لگا ہے۔

بیت اللہ کے چاروں طرف غلاف چڑھا ہوتا اور اس پر آیات قرآنی منقش ہوتی ہیں حرم کی روشنیوں کے ہالہ میں غلاف اتنا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ بھلا کے لفظ کا اس سے بہتر استعمال ہی نہیں ایک عمارت ایک عبا پہن کر کھڑی ہے جس سے سطوت، عظمت اور حشمت ٹپکتی ہے دنیا میں کوئی عمارت ایسی نہ ہوگی جو ہر دور کی ہر ساعت میں لوگوں کا مرکز ہو اور جہاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی ثانیہ طواف کے بغیر گزرتا ہو۔ روشنیوں نے کعبۃ اللہ کو اس طرح جگمگا رکھا ہے کہ ہر لحظہ بقعہ نور نظر آتا ہے رات کو یہ منظر اور بھی دل کش ہو جاتا ہے۔ آس پاس کے پہاڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین نور اگل رہی ہے ——— چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں ہیں مسجد الحرام اور بیت اللہ میں کسی انسان کے لیے کوئی امتیاز نہیں شاہ و فقیر ایک سے ہیں یہ

عشق کا دربار ہے اور عشق کے دربار میں کسی ابوالفضل و فیضی کے لیے جگہ نہیں، فرق ہے تو صرف اللہ سے لو لگانے والوں کے مراتب و مناقب میں ہے جہاں دولت یا حکومت کے لیے کوئی اعزاز نہیں اعزاز ان کے لیے ہیں جن کے سر اور جن کے دل اللہ کے حضور میں اس طرح جھکے رہتے ہیں کہ اوپری نگاہیں اور رسمی طبیعتیں ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی ہیں ہر شخص اپنی لو میں مگن رہتا اور عشق و ایمان سے بقدر ظرف بہرہ یاب ہوتا ہے حاضری میں یکسانی ہے حضوری میں نہیں، بہ قول شاعر ؎

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

سبھی لوگ آتے ہیں بادشاہ و فقیر، وزیر و امیر، دولت مند و حاجت مند، غنی و گدا، شہریار و شہسوار، تاجدار و چوبدار، فرماں روا و بے نوا، نیاز مند و دردمند، تاجر و آجر، زاہد و رند، عالم و عامی، لاہوری و شامی، ملک ملک کے لوگ ہیں سجدہ ایک جبینیں بہت سی کوئی کھڑاگ نہیں ایک ہی خواہش کہ اللہ کے اس گھر سے سرخرو جائیں حاضری قبول ہو، حضوری حاصل ہو صبح تاریخ کی بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں اسلام کو چودہ سو سال ہو گئے ہیں ایک لحظہ ایک ثانیہ اور ایک ساعت بھی انسان کی حاضری کے بغیر نہیں گزری چوبیس گھنٹے طواف ہوتا اور کرہ ارضی کے ہر حصہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔ مطاف کے چکر کاٹے جا رہے ہیں ملتزم پر گریہ ہو رہا ہے رکن یمانی کو چھوا جا رہا ہے اور حجر اسود کو بوسے دیئے جا رہے ہیں مقام ابراہیمؑ پر دعائیں مانگی جا رہی ہیں اور نفل پڑھے جا رہے ہیں زمزم پر لوگ ٹوٹے پڑتے اور شرابور و سرشار ہو کر نکلتے ہیں باب اسلام کی حد سے باہر مسجد الحرام کے جوڑ پر داہنے ہاتھ صفا ہے بائیں ہاتھ

مروہ ——— ہر آن سعی ہو رہی ہے زن و مرد حضرت ہاجرہ کے اتباع میں دعائیں مانگتے اور دوڑتے چلے جاتے ہیں۔

ایک ہی جگہ ہے جہاں گناہ کا تصور تک نہیں معصیت انسانی وجود سے ان لمحوں میں خارج ہو جاتی اور پاکیزگی ہر ذرہ میں سانس لیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اپنے ذکر سے اتنا ہرا بھرا کر دیا ہے کہ رات ہو یا دن انسانوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے ہر ساعت طواف سے معمور ہے پھر امتیاز کوئی نہیں یکساں لباس ایک سے احرام میں شاہ و گدا اور آقا و مولا چل رہے ہیں۔

فضل حق نے بتایا کہ الجزائر کے بن بیلا کی آمد پر اس خیال سے کہ بعض خفیہ رپورٹیں نازک تھیں سعودی حکومت نے کعبۃ اللہ کے دائرہ سے زائرین کو چند منٹ کے لیے پیچھے ہٹا دیا جونہی طواف رکا اور مطاف خالی ہوا یکایک کبوتروں کی ٹکڑیاں اِدھر اُدھر سے سے نکلیں اور بھرپور طواف شروع کر دیا یہ نظارہ الٰہی دیکھ کر اعضائے حکومت سراسیمہ ہو گئے فوراً اپنی روک ہٹالی اور طواف شروع ہو گیا کبوتر جس طرح آئے تھے اسی طرح لوٹ گئے۔ بن بیلا آئے اور عام لوگوں کے ساتھ طواف کر کے چلے گئے اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں جو کلام پاک کے الفاظ میں امن کی جلوہ گاہ ہے ایک انسان کے لیے خواہ وہ فرمانروا ہی تھا کوئی سا انتظام یا امتیاز منشائے ایزدی کے خلاف تھا، قدرت کو گوارا نہ تھا کہ اللہ کی مخلوق کو مطاف کی حاضری سے روکا جائے اس گھر میں کوئی شاہی نہیں یہاں صاحب و بندہ و محتاج و غنی ایک سے پہناوے میں آتے اور ایک سی دعائیں مانگتے ہیں یہاں کوئی جہاں پناہ نہیں سب پناہ خواہ ہیں سب کے ایک ہونے کا نظارہ صرف یہیں کیا جا سکتا ہے۔

فضلِ حق نے میرے ساتھ معلم کر دیا اور میں نے طواف کے سات چکر پورے کئے ہر چکر میں مختلف دعائیں مانگیں پہلے چکر میں حجرِ اسود کو بوسہ دیا پھر ہر چکر میں استلام کیا آخری چکر میں بوسہ دے کر ہٹا تو عالم ہی دوسرا تھا اس درجہ کیفیت پیدا ہوئی کہ اس وقت بیان کرنا مشکل تھا اب بیان کرنا بس سے باہر ہے۔ بعض چیزیں آدمی محسوس کرتا ہے کہہ نہیں سکتا انسانی نطق اپنے تمام اثاثے کے باوجود ان کیفیتوں کو بیان کرنے سے معذور ہے کیفیت چیز ہی وہ ہے جو بیان نہ ہو کوئی انسان ان واردات کو جامۂ الفاظ نہیں پہنا سکتا جو عشق کے دربار اور ایمان کے جلو میں پیدا ہوتے ہیں طواف کی لذت ہی ایسی ہے کہ الفاظ اس کے بیان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے میں گھوم رہا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ پیچھے کو لوٹ رہی ہے۔

یکایک نظریں ٹھہر گئیں بیٹا گارا ڈھو رہا اینٹیں لا رہا اور باپ معماری کر رہا ہے پھر اُن کی دعائیں سُنیں۔

"اللہ العالمین ہم نے یہ گھر تیری منشا پر تیری عبادت کے لیے بنایا ہے"۔

امتداد زمانہ کے ساتھ پھر اس گھر میں بتوں کو داخل ہوتے دیکھا لات ومنات اور عزیٰ وہبل کی فرمانروائی دیکھی ابوجہل اور ابولہب کی سرکشی دیکھی یہاں تک کہ حضورؐ بیت اللہ میں سربسجدہ ہیں اور ابوجہل اونٹ کی اوجھ آپ کی گردن پر رکھ رہا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر حضورؐ کا رکا ہوا قافلہ دیکھا کہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں پھر وہ دور بھی دیکھا کہ بیت اللہ میں وقت کا سب سے بڑا انسان فاتح مکہ کی حیثیت سے داخل ہو رہا ہے دس ہزار جاں نثاروں کا قافلہ جلو میں ہے بتوں کو توڑا جا رہا اور خدا کے اس گھر کو تمام آلودگیوں سے صاف کیا جا رہا ہے۔ ابوسفیان کو دیکھا کہ

حضرت عباسؓ کی پناہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہے حضور فرما رہے ہیں اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواجِ الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھے قبیلے اسلام چلے آ رہے ہیں سب سے آگے غفار کا پرچم ہے پھر جُہینہ ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے اللہ اکبر کہتے صف در صف گزر رہے سب سے آخر میں انصار کا قبیلہ کوکبۂ نبویؐ کے ہمرکاب ہے زبیر بن العوامؓ علمبردار ہیں حجون کے مقام پر علم نبویؐ گاڑا جا رہا ہے خالد بن ولیدؓ حضورؐ کے اشارہ پر اس پورے لشکر سمیت مکہ کے بالائی حصہ کو مڑ رہے ہیں اِدھر قریش کا ایک گروہ ایک چھوٹی سی جھڑپ میں ۱۳ لاشیں چھوڑ کر الٹے پاؤں بھاگ رہا ہے۔

حضرت عمرؓ حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے کعبۃ اللہ کو تین سو ساٹھ بتوں سے پاک کر رہے ہیں بلالؓ وطلحہؓ کی ہمراہی میں رسالت مآبؐ قدم رنجہ فرماتے عثمان بن طلحہؓ سے کنجی لے کر دروازہ کھولتے اور بتوں کو چھڑی سے ٹھوکے دیئے جاتے ہیں زبان اقدس پر ہے

"جاالحق وزھق الباطل اِن الباطلَ کان زھوقا"۔

(حق آگیا باطل مٹ گیا کہ مٹنا اس کا مقدر تھا)

بلالؓ کو حکم دیا جاتا ہے اذان دو۔ اذان ہو چکی تو خطبہ فرماتے ہیں قریش مکہ سامنے ہیں وہ بھی ہیں جو اسلام کو مٹانے پر تُلے ہوئے تھے وہ بھی ہیں جو حضورؐ پر سب و شتم کرتے اور اس ذلت میں بازی لے گئے تھے اور وہ بھی کھڑے ہیں جو قتل کے منصوبے باندھتے اور اپنے تیغ وسنان کو حضورؐ کے لہو میں ڈبونے کے لیے صیقل دیتے رہے غرض کانٹے بچھانے والوں کی جماعت روبرو ہے ان میں حضورؐ کی ایڑیوں

کو لہولہان کرنے والے بھی ہیں اور بلالؓ، خبابؓ، عمارؓ، سمیہؓ، یاسرؓ، صہیبؓ، ابو فکیہہؓ لُبَنیہؓ اور زنبیرہؓ کو ستانے والے بھی! آج قریش کا غرور قدموں تلے ہے بلالؓ ان کے روبرو کعبۃ اللہ کی چھت پر اذان دے رہا ہے در یتیمؐ جو اپنے گھر سے نکالا گیا اور جس کو حدیبیہ سے لوٹایا گیا تھا آج بیت اللہ میں اعلان کر رہا ہے۔

"اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور حسب و نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا ہے تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں تمہارے قبیلے اور خاندان صرف آپس کی پہچان کے لیے ہیں خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار، دانا اور واقف ہے۔"

پھر قریش کے تہاروں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

"تمہیں معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔"

وہ جواب دیتے ہیں:

"آپ شریف بھائی اور شریف زادہ ہیں۔"

ارشاد ہوتا ہے:

"تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اس عفو عام کا اعلان صرف رحمۃ اللعالمین ہی کر سکتے ہیں —

یاربّ صلّ وسلّم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّھم

ملتزم حجر اسود اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کا درمیانی حصہ ہے سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضورؐ اور ان صحابہؓ نے جو فتح مکہ کے وقت ساتھ تھے اس جگہ سے اپنے سینوں کو

چمٹایا تھا حضورؐ نے فرمایا تھا جو یہاں لپٹ کر اللہ جل شانہٗ سے کچھ مانگے گا اس کی مراد پوری کی جائے گی یہاں آنسو خود بخود نکل آتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ عاجز و خاطی انسان رب غفور و رحیم کی دہلیز پر لگا کھڑا ہے۔ یہی جگہ ہے جہاں الحاح و زاری کے بغیر دُعا کا تصور ہی نہیں ہر شخص اپنی خطاؤں کی معافی کے لیے روتا اور دل کھول کے روتا ہے سرورِ کائناتؐ نے سینہ مبارک لگایا دُعائیں مانگیں اور اس کو عظمت بخش دی۔ صحابہ کرام کے سینوں کی رونق، چہروں کی ضیاء، سانسوں کی خوشبو، کلمات کی نفاست اور آنسوؤں کی طلعت سے یہ جگہ نورانی ہو گئی۔ اس آسمان نے جو صبح کا سورج لے کر بیت اللہ پر چمکتا ہے اور اس افق نے جو ہر شب ستاروں کی قندیلیں جگمگاتا ہے محسنِ کائنات اور ان کے ساتھیوں کی ان ساعتوں کا نظارہ کیا اور ان کے آنسوؤں کو چن کر چرخ نیلی نام کا جھومر بنا دیا ہے۔ آج چودھویں صدی آخری موڑ پر ہے لیکن اس سارے عرصہ میں حضورؐ سے لے کر تابعین تک پھر اولیاء، اتقیا، حکماء، علماء، صلحا، وزیر و شاہ، زاہد و رند، خواص و عوام، عابد و خاطی، عالم و عامی، کروڑوں بلاشبہ کروڑوں انسان بوڑھے، بچے، جوان اس سے لپٹتے چلے آ رہے ہیں آنسوؤں کا قلزم بہہ چکا ہے کتنے ہی سینے اس سے لپٹے اور کتنے ہی بازو حمائل ہوئے ہیں بلاشبہ یہاں ایمان کو بلندی، عشق کو سچائی، طبیعت کو سکون، روح کو عرفان، دل کو ایقان، دماغ کو جلا اور اعتقاد کو دوام ملتا ہے۔ میں نے اپنا سینہ اس کے پتھروں سے لگا دیا اور دونوں ہاتھ دروازہ کی سنگی مسطح پر رکھ دیئے۔ حقیقت و مجاز میں کوئی نسبت ہوتی اور سوء ادب کا خدشہ نہ ہوتا تو اس لمحہ وصل کے لیے بہت سی تشبیہیں اور استعارے چُنے جا سکتے تھے۔ بہرحال بندہ اپنے رب سے ہمکلام تخاطب ارا:

کہیئے یہ طور نہیں کہ لن ترانی میں جواب آئے انشراح صدر ہو تو آواز آتی ہے

"میرے بندے تو اس عزت سے بالا کیا گیا تیری دعا ہم نے سن لی اور
قبول کی گئی جب تک تو ہماری اطاعت کرے گا ہم تیری شہ رگ سے
نزدیک ہیں تجھے کبھی خوار نہ ہونے دیں گے۔"

میری پہلی دعا یہ تھی۔

میرے اللہ میری لغزشوں سے درگزر کر میرے گناہوں کو بخش دے،
مجھے ایمان کی دولت دے، مجھے اسلام کا سپاہی بنا، میرے قلب کو
طاقت، میری زبان کو لطافت، میرے دل کو غیرت اور میرے دماغ کو
رفعت دے، مجھے توحید و رسالت کے دشمنوں سے لڑنے کی پختگی عطا کر،
اسلام کا بول بالا کر، مسلمانوں کی مشکلیں آسان کر دے اور پاکستان کو استحکام
دائمی بخش، اسرائیل کو اپنے غضب میں رکھ، عربوں کو معاف کر دے،

مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز واجب الطواف ادا کی اور دیر تک خیالات میں گم سم کھڑا رہا عظمتوں کا ٹھکانہ نہیں کیفیتوں کا چشمہ ہر طرف پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا ہے۔

سلطان سلیم نے ۱۰۴۰ ہجری میں اس پر چھتری کے طرز کی ایک چھت بنوائی تھی اب اردگرد پیتل اور تانبے کا ایک حصر بنا ہوا ہے اس حصر کو بڑے شیشے لگا کر شوکیس کی شکل دے دی ہے اندر دو بالشت مربع پتھر ہے جو سونے اور چاندی سے مڑھا ہوا ہے اس پتھر پر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان ہے، یہ پتھر بیت اللہ کی تعمیر کے وقت مچان کا کام دیتا تھا۔

کعبۃ اللہ سے مشرق کی جانب کوئی پچاس فٹ کے فاصلہ پر زمزم ہے، چند

سال پہلے یہ کنواں حرم ہی کی سطح پر تھا مگر اب اس کو تہہ خانے میں لے گئے ہیں انجینئروں نے ایک خوب صورتی پیدا کر دی ہے بڑے عرض کی سلوں کا زینہ ہے زمزم تک کوئی سو فٹ کی سیڑھیاں ہوں گی چوڑائی خاصی ہے ایک وقت میں بیس پچیس آدمی ایک ساتھ آ جا سکتے ہیں پہلے حصہ میں نل لگے ہوئے ہیں۔ اگلے حصہ میں جہاں کنواں ہے ٹیوب ویل بھی ہے اور بوکا بھی ایک سقہ ہر وقت پانی کھینچتا، پلاتا اور بانٹتا ہے شہر کے لوگ صراحیاں (شربے،) بھر بھر کے لے جاتے ہیں مکہ کی ان صراحیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صراحی دار گردن کیا ہوتی ہے! ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات کھوے سے کھوا چھلنے لگتا ہے۔ حضرت ہاجرہ کی مضطربانہ دعا اور حضرت اسماعیل کی معصومانہ ٹھوکر نے اس پانی کو فضیلت اور ہمیشگی بخش دی ہے پھر جو کلمہ چشمہ کی بے تابی کے وقت حضرت ہاجرہ کے منہ سے نکلا تھا زم زم یعنی ٹھہر ٹھہر وہی اس کا نام ہو گیا زمزم کے لفظ پر غور کیجئے ایک ایسا طنطنہ ہے ـــــــ ع

کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

مسجد الحرام کے مشرق میں خانہ کعبہ سے ملحق یا متصل دو پہاڑیاں ہیں صفا و مروہ قرآن پاک نے انہیں شعائر اللہ کہا ہے حضورؐ صفا تک پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الصفاء والمروۃ من شعائر اللہ۔

اب یہ پہاڑیاں صرف نشان رہ گئے ہیں دونوں کے درمیان کوئی تین سو گز کا فاصلہ ہو گا سعودی حکومت نے درمیان میں سنگی حاشیہ دے کر اور اوپر چھت ڈال کر اس میں ایک شکوہ و جمال پیدا کر دیا ہے دونوں پہاڑیاں حجرۂ وصل کی طرح چھت سے ڈھکی ہوئی ہیں ان کے درمیان دوڑنا سعی کہلاتا ہے سعی کرنا حج اور عمرہ کے فرائض کا حصہ

ہے ——— حج کا عظیم رکن!

سعی کے بھی سات چکر ہیں حضرت ہاجرہ اپنے جگر گوشہ اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں سات مرتبہ دوڑی تھیں مرد و زن اسی طرح دوڑتے اور ہو بہو اتباع کرتے ہیں۔!

سعی میں ایک لذت سی پیدا ہو گئی لذت کیا سحر ہو گیا دل و دماغ اس کے ہو گئے نگاہیں اشتیاق و تصوّر کی وادی میں چلی گئیں کیا خوب صورت جگہ ہے اور کتنی دلفریب ہیں دونوں پہاڑیاں۔

ابراہیمؑ ہاجرہ اور اسماعیل کو مکّہ میں چھوڑ کر واپس جا رہے ہیں ام اسماعیل (ہاجرہ) ان کے پیچھے پیچھے کدا تک آئیں پکار کر کہا:

ابراہیم! تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ اور کوئی چیز؟ چھوڑ کر کہاں جاتے ہو کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو ابراہیمؑ نے کہا ہاں! ہاجرہ نے کہا تو پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا لوٹ کر آ گئیں مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور بچہ کے لیے دودھ ہوتا رہا یہاں تک کہ پانی چُک گیا دل میں کہا جا کر دیکھوں شاید کوئی نظر آ جائے کوہ صفا پر چڑھیں کوئی نظر نہ آیا وادی میں پہنچیں دوڑ کر مروہ پر آئیں اسی طرح چند بار دوڑیں پھر بولیں چل کر بچے کو دیکھوں آ کر دیکھا تو قریب الموت پایا مضطرب ہو کر پھر صفا پر چڑھیں کہ کوئی نظر آئے کوئی نظر نہ آیا، یہاں تک کہ سات پھیرے ہو گئے ناگاہ ایک آواز آئی ہاجرہ نے کہا نیکی تمہارے پاس ہو تو فریاد رسی کرو ناگاہ جبرئیل امین تھے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جبرئیل نے اپنی ایڑی کو زمین پر مارا پانی بہنے لگا بڑھ کر اپنے

بیٹے کی طرف گئیں دیکھا بچہ کی ٹھوکر سے چشمہ پھوٹ رہا اور پانی جوش میں ہے حضرت ہاجرہ نے کہا زم زم (ٹھہر ٹھہر) پانی کا جوش ٹھہر گیا۔

زمزم میں مریضوں کے لیے شفا ہے کھڑے ہو کر پینا سنّت نبویؐ ہے حضورؐ نے فرمایا جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں زمزم پیو تو قبلہ رخ ہو جاؤ اللہ کا نام لو تین سانس میں پیو خوب پیو اور پیٹ بھر کے پیو اللہ کی حمد و ثنا کرو، حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان یہی حدِ فاصل ہے کہ وہ زمزم پیٹ بھر کر نہیں پیتے زمزم بہترین پانی ہے۔

میں زمزم کو اس وقت تک پیتا رہا جب تک پیٹ نہیں بھر گیا سقہ نے مجھ پر دو تین ڈول کے ڈالے اور میں شرابور ہو گیا۔

تصوّر کیجیے حضرت ہاجرہ اپنے جگر گوشہ ذبیح اللہ کے لیے کیسے دوڑتی ہوں گی سات چکر ایک میل اور چار سو گز کا فاصلہ ہیں آدمی دوڑتے ہوئے تھک جاتا لیکن ہر چکر کے بعد تازہ دم ہو کر ایک نئی توانائی محسوس کرتا ہے ——— دماغ لالہ زار ہو کر دل کے مینا بازار کی رونق بڑھاتا اور یہ احساس سرور و ابتہاج سے معمور ہو جاتا ہے کہ اب بھی قرونِ اولیٰ کے عظیم انسان اور ان کی سعادتیں ساتھ دوڑ رہی ہیں آنکھیں صفا و مروہ کو تاکتی جھانکتی اور ان کا نور سمیٹتی ہوئی ہاجرہ کی دوڑ کے قدم لے رہی ہیں ہاجرہ دوڑ رہی ہیں ایک ایک حرکت ایک ایک اشارے اور ایک ایک کنائے کی نقل جاری ہے وہ عظیم عورت جو اس وادی غیر ذی زرع میں تنہا ہے صرف لختِ جگر ساتھ ہے اور یہ اس کے لیے پانی تلاش کر رہی ہیں۔

غیب کا علم خدائے علیم و خبیر کو ہے ہاجرہ نہ جانتی تھیں کہ جہاں وہ مسافر ہے،

مہاجر ہے جلا وطن ہے اور اس کی آواز کے سوا کسی دوسرے انسان کی آواز نہیں ہے وہاں کبھی ایک ایسی بستی آباد ہوگی کہ ام القریٰ ہوگی اس کی فضیلت کرہ ارض کے تمام شہروں سے بڑھ جائے گی اس کو قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا ہر سال لاکھوں انسان وہاں آئیں گے اور جس طرح وہ آج یہاں دوڑ رہی ہیں اسی طرح لوگ دوڑا کریں گے پھر یہ عمل سال میں ایک دفعہ نہیں ہوگا یہ عمل ہر روز ہوگا یہ بستی ایک جلا وطن پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمدؐ) کا مولد ہوگی سارا خطہ شہرت عام اور عظمت دوام کا دربار ہوگا۔

میں نے ہر پھیرے میں اس تنہائی کا مزہ پایا جو ہاجرہ کے ہم رکاب تھی۔ ؎

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

سعی ہو گئی بال کٹوائے معلم کا حق الخدمت ادا کیا تب فضل حق کی دوکان پر پہنچا وہاں قریب ہی فندق الکعکی میں ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا کعکی کے معنی روٹی اور فندق کے معنی ہوٹل ہیں، خانہ کعبہ سے باہر ہوٹلوں کی بھرمار ہے بالخصوص محلہ جیاد میں اور جو مکان ہیں وہ بھی حج کے دنوں میں کرایہ پر اٹھا دیئے جاتے ہیں کرایہ وہاں ماہانہ نہیں سال بھر کا یکمشت لیا جاتا، ایام حج کا کرایہ بارہ مہینوں کے برابر ہو جاتا ہے مکانات کے مالکوں کی اصل آمدنی یہی ہے رمضان المبارک سے ذی الحج تک کرایوں کی رفتار تیز ہو جاتی اور لوگ اپنے مکانوں کے ایک ایک کمرے میں کئی کئی بستروں کا ڈھیر لگا کر پورا سال کما لیتے ہیں۔

مکہ میں جب پہلی دفعہ آبادی ہوئی تو لوگ مکان نہیں بناتے تھے بلکہ گرد و پیش خیموں ہی میں پڑے رہتے تھے حضورؐ رسالت مآب سے گیارہ سو سولہ برس پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی بنیاد رکھی ایک طویل مدت گزر گئی تو قریش نے اپنے زمانہ میں بعثت نبویؐ سے تھوڑا عرصہ بیشتر مکان بنانے کا آغاز کیا حضورؐ کے زمانہ میں بلکہ خلافت راشدہ سے بھی کچھ عرصہ بعد یہاں دو منزلہ مکان کھڑا کرنے کا رواج نہ تھا وہ لوگ اس کو بیت اللہ کے احترام سے ہٹا ہوا سمجھتے تھے اور پہلی آبادیاں تو بیت اللہ سے بالا مکان بنانا سوء ادب خیال کرتی تھیں لیکن اب بیت اللہ کے صحن سے دیکھئے تو چاروں طرف پہاڑوں پر کئی کئی منزلہ مکان کھڑے ہیں رہ گئے ہوٹل تو وہ آسمان سے چشمک کرتے اور اتنے اونچے ہیں کہ ان کی منزلوں سے بیت اللہ کی ہر رونق دیکھی جا سکتی ہے بیت اللہ تقدس و احترام کے ان مفروضوں پر نہیں جو ہمارے ہاں بعض اہل اللہ کی قبروں کے متعلق قائم کیے گئے ہیں احترام کے یہ مفروضے ہمارے ہی ملک میں ہیں کہ جہاں اہل اللہ کے روضہ کی طرف پیٹھ کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

مکہ کے چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھینچ رکھی ہیں مشرقی اور شمالی سلسلہ جبل خلیج (فلق)، جبل قیقعان، جبل ہندی، جبل سلع اور جبل کداء سے مرکب ہے آخر الذکر وہی پہاڑ ہے جس کی راہ سے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تھے جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ، جبل کدام اور جبل ابی قبیس کے بعض حصوں سے مرکب ہے مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔

الکعکی پہنچا ——— تو وہاں کچھ پاکستانی دوست انتظار میں تھے وہ ملک کے بارے میں استفسار کرنے لگے اور میں انہیں اپنی معلومات بتاتا رہا پھر وہ اگلی صبح آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے میں تھک ضرور گیا تھا لیکن اندر کا ولولہ تازہ تھا

بلکہ اور تازہ ہو گیا تھا کھانا کھایا، قہوہ پیا نمازِ عشا باقی تھی اور سامنے بیت اللہ تھا۔ کوئی تین منٹ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں پہنچ گیا اس وقت تنہا تھا نماز پڑھی اور طواف شروع کیا پھر کچھ دیر حجرِ اسود کے بالمقابل پہلی صف میں آ کے بیٹھ رہا رات بیتی جا رہی لیکن رونق بڑھتی جا رہی تھی کئی آشنا چہرے مل گئے کہاں کہاں کے لوگ نہیں تھے ہر ملک کا باشندہ موجود تھا سب اللہ سے لو لگائے ـــــ اسی کے ہو کے آئے تھے اور اسی کے ہو جانا چاہتے تھے۔

بجلی کے ستونوں نے حرم کو صبح روشن سے کہیں زیادہ روشن کر رکھا اور بیت اللہ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔

رات کوئی ایک ڈیڑھ بجے تک وہیں بیٹھا رہا کبھی اٹھ کے یہاں وہاں پھیرے ڈالتا کبھی طواف کرتا اور کبھی ملتزم کے سامنے بیٹھ کے بیت اللہ کو ٹکر ٹکر دیکھتا کہ ننانوے برس کے ایک بوڑھے پیغمبر (علیہ اسلام) کا بسایا ہوا گھر آج ڈھائی ہزار سال گزر جانے کے باوجود جوان ہے ہر مسلمان کے دل میں یہاں پہنچنے کی تڑپ ہے اور جو یہاں پہنچ جاتا ہے وہ فرش سے عرش کو دیکھتا ہے آمد و رفت کا تانتا لگا ہوا ہے وقت کی قید نہیں صبح تو خیر صبح ہے رات بھر لوگ آتے رہتے ہیں۔ اکثر لوگ جو عمرہ پر آتے دن کو سوتے رات کو جاگتے اور پوری رات حرم میں کاٹتے ہیں۔

زمزم پلانے والے پیٹھ پر صراحیاں باندھے پھرتے نظر آتے ہیں یوں بھی اِدھر اُدھر صراحیاں پڑی رہتی ہیں نمازیں ہو چکتی ہیں تو نفل پڑھے جاتے ہیں تہجد گزار تہجد پڑھتے ہیں گڑگڑا کر دعائیں کی جاتیں اور الحاح و زاری کے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں طبیعت اتنی عاجز ہوتی ہے کہ حرم کی اس چار دیواری میں کوئی سی نخوت یا کوئی سا گھمنڈ ساتھ

نہیں ہوتا

ع ـــــــــــ
تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

معاً میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ وہ قوم جس کی زبان پر اکثر اللہ و رسولؐ کا ذکر رہتا ہے وہ خُدا کے غضب سے کیوں پناہ نہیں مانگتی؟ آخرت سے کیوں نہیں ڈرتی؟ اور قیامت کی پرسش کے خوف سے خالی کیوں ہے؟ رات کا ایک بج چکا تھا آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں صبح ساڑھے نو بجے کراچی سے چل کر اس وقت تک سویا نہیں تھا ہوٹل میں لوٹ کر لیٹ گیا۔

اپنے رب کو یاد کیا جس نے مجھے یہاں حاضری کی سعادت بخشی اس نبیؐ پر درود بھیجا جس نے اس گھر سے آگاہ کیا جس نے سبق دیا کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں وہی زندگی دیتا اور موت لاتا ہے اسی نے یہ کائنات پیدا کی پھر اولادِ آدمؑ کے لیے مسخر کی سب عزتیں اور تمام بادشاہتیں اس کی بخشش ہیں جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں کچھ عرصہ ڈھیل دی جاتی ہے پھر ان کی پکڑ ہوتی اور وہ مٹا دیئے جاتے ہیں نوحؑ کا طوفان اور قومِ لوط کی تباہی اسی کے عذاب کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے معصیتوں میں استغراق سے ناراض ہوتے تو اُسے زلزلوں، سیلابوں اور بیماریوں سے ہلاک کر دیتے، ان پر ظالم حکمران مسلط کرتے اور ایسی قوموں سے پڑا دیتے ہیں جن کا وجود ہی عذابِ الٰہی ہوتا ہے۔

اس گھر (بیت اللہ) کو دیکھ کر یہی سوچ رہا تھا کہ ہم پچھلوں کی نقل کرنے کے لیے رہ گئے ہیں ہم اُسلاف کے افکار و اعمال کی ناقص تصویریں ہیں؟ وہ اوامر کے آب و گل سے تیار ہوتے تھے ہم نواہی کے سانچوں میں ڈھلنے لگے ہیں؟ یہی وہ گھر ہے

ہم جس کے پاسبان تھے اور جو ہمارا پاسباں تھا لیکن وہ تو اب بھی ہمارا پاسبان ہے ہم اس کے پاسباں نہیں رہے ہم اس کے پاسباں ہوتے تو اس طرح خوار نہ ہوتے کہ جس قوم پر اللہ نے اپنا غضب نازل کیا تھا وہ قبلہ اوّل لے اُڑی ہے اور جس قوم نے گمراہ ہونا قبول کیا وہ ہمارا لہو نچوڑ رہی ہے اللہ کا باغی معاونت کر رہا اور رسولؐ کے باغی معاندت پر تلے ہوئے ہیں۔

یہی سوچتے سوچتے سو گیا نماز فجر سے گھنٹہ بھر پہلے نہا دھو کے حرم میں گیا اذان کی دل کشی دل میں اترتی گئی بیت اللہ کے روبرو بارگاہ ایزدی میں فجر کی نماز کا پہلا سجدہ تھا کہ خضوع و خشوع کی لذت سوا ہو گئی عرب کی آواز کانوں میں گھُلی چلی جا رہی تھی۔ رسولؐ عربی کی قوم کا فرد قرأت کر رہا تھا وہی لہجہ وہی آواز وہی ترنگ اور وہی پکار سلام پھیر کے محسوس کیا کہ حضورؐ فرد کش ہیں قدسیوں کی ایک جماعت نے ہالہ باندھ رکھا ہے پروانے ہیں کہ ٹوٹے پڑتے ہیں بلالؓ ہٹو بچو کی ہانک لگا رہے ہیں۔ اور فدائی ہیں کہ بچھے جا رہے ہیں وہ سامنے صدیق اکبرؓ آ رہے ہیں ادھر وہ عمرؓ نکل رہے ہیں، عثمانؓ آنکھیں جھکائے چل رہے ہیں، علیؓ ادباً ایک قدم پیچھے ہیں طلحہؓ اور زبیرؓ قربان ہو رہے ہیں، ابوذرؓ رکتے ہی نہیں ابو ہریرہؓ تھکتے ہی نہیں۔ جو لفظ لبِ نبوت سے نکلتا ہے آویزہ گوش بنا لیتے ہیں سب اپنا اپنا کشکول بھر رہے اور اپنے اپنے حافظہ کو جلا دے رہے، اوپر ملائکہ سائبان کئے ہوئے ہیں نیچے جاں نثاروں نے حلقہ باندھ رکھا ہے دائیں بائیں عشرہ مبشرہ ہیں خالد بن ولیدؓ ہیں کہ شجاعت بلائیں لے رہی ہے۔ جو دیکھ رہا ابد تک محفوظ ہو رہا ہے ایک شرف اس سارے قافلے کے ساتھ ہے امیر قافلہ کے جلو نے بے شمار انسانوں کو بارگاہ ایزدی میں خلعت

دوام بخش دیا ہے مجال دم زدن نہیں قدم اٹھتے ہیں تو صبا خرام سیکھتی ہے چہرہ مسکراتا ہے تو سورج چمکتا ہے، تبسم سے کلیاں کھلتی اور خندہ سے پھول مہکتے ہیں خانہ کعبہ کی زمین دیکھئے ہیبت کی ڈلک بنی ہوئی ہے رسالت مآبؐ کے قدم کہاں سے کہاں لے گئے ہیں چاروں طرف کے پہاڑ دم بخود ہیں ہر چیز ادب سے گزرتی اور ہر آواز احترام سے سرد ہی ہو گئی ہے ایک ہی پیکر میں آدمؑ کا خلق شیثؑ کی معرفت نوحؑ کی شجاعت ابراہیمؑ کا ولولہ توحید اسماعیلؑ کا شیوۂ رضا اسحاقؑ کی خوئے تسلیم صالحؑ کی فصاحت لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کا دبدبہ ایوبؑ کا صبر یونسؑ کی اطاعت یوشعؑ کا جہاد داؤدؑ کی آواز دانیالؑ کی محبت الیاسؑ کا وقار یحییٰؑ کی پاک دامنی اور عیسیٰؑ کا زہد ڈھلا ہوا ہے —— ع

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

وجدان معراج پر تھا تخیل عرش پر اور تصور قرن اوّل کی جلوہ گاہ سے موتی چن رہا تھا۔

واپس ہوٹل پہنچا تو سورج مکہ کی پہاڑیوں سے ابھر رہا تھا تھوڑی سی دیر میں ناشتہ آگیا مکھن، پنیر، دہی، زیتون، انڈے، توش، کلیجی، چائے، پھل معاً ایک غیبی آواز نے روک لیا۔ ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں حضورؐ نے تمام زندگی پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا عمر بھر چپاتی نہیں دیکھی دن میں ایک وقت کھاتے اور صرف ایک سالن ہوتا کدو پکتا تو پیالے میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو ولیمہ میں صرف ستو اور کھجور تھے۔

ایک قرآن تیس پاروں میں ہے اور ہم نے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کے رکھا ہے ایک قرآن وہ تھا جو بقول ابو الکلامؒ مکہ کی گلیوں اور مدینہ کے بازاروں میں پھرتا رہا —— قرآن مجسم!

ان کے کہے کا نام حدیث اور ان کے کیے کا نام سنّت ہے ——— بہت سے ہیں جو بات بات پر قرآن و سُنّت کا حوالہ دیتے ہیں کئی مسند و محراب کے وارث ہیں کہ اُن کی زبانیں خشیت الٰہی کا تذکرہ کرتے ہوئے اشک بار ہو جاتی ہیں وہ منبر پر کھڑے ہوتے تو عصا اُٹھا کر خطبہ پڑھتے ہیں مگر ان کا دستر خوان کبھی سُنّت نبویؐ کے مطابق نہیں ہوتا۔ کبھی ان کے چولھے بجھے ہیں؟ ان کی دوسری تیسری شادیوں میں سے کوئی شادی ستو اور کھجور سے ہوئی ہے؟ اس خانوادہ منبر و محراب میں کوئی ہے جو کبھی ایک وقت بھوکا رہا ہو جس نے صرف کھجور سے روٹی کھائی ہو! سرکہ پر گذر کی ہو! اور شوربے میں سے کدّو کی قاشیں ڈھونڈھی ہوں۔

جس آقاؐ کا بستر فرش کا ہو اور جس کے پاس اکثر ایک ہی چادر رہی ہو، دوسرا جوڑا نہ ہو جس کی وفات پر عائشہؓ نے کہا ہو کہ یہ کمبل اور یہ تہبند کل دو کپڑے ہیں جن میں حضورؐ نے رحلت کی ہے جس نے دم نزع گھر میں جو کچھ تھا صدقہ کر دیا ہو اور کہا ہو کہ اللہ کا پیغمبرؐ اپنے خالق کے پاس کوئی اثاثہ چھوڑ کے جانا نہیں چاہتا اور یہ اس کے فقر کا زمانہ نہیں تھا بلکہ لشکروں کی فتح مندیاں اس کے قدموں میں ڈھیر تھیں اور یہ سب کچھ سنت ہی تو ہے۔ کتنے ہیں جو اس سنت کے تابع ہیں اور کتنے ہیں جو اس کی مطابقت میں سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا کے مرتے ہیں وہ لوگ جو قرآن و سنت کے نام پر جمع کی ہوئی دولت قرآن و سنت کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہ عشق رسالتؐ کے دعویدار ہیں؟ ان کے نزدیک سنت تراش خراش اور بیان و زبان کی ایک الگ مخلوق گھڑ لینے کا نام ہے، سُنّت میں تو حق کے نام پر پتھر کھانا بھی ہے، پیٹ پر پتھر باندھنا بھی، فوجوں کی سرداری بھی ہے بیت اللہ کی معماری بھی، دفا بھی ہے سخا بھی،

فقر بھی ہے فاقہ بھی، دوسروں کے لیے لعل و زر و گہر ہیں اپنے ہاں کا چولھا بجھا ہوا ہے سُنّت کا چہرہ روشن سب کچھ اللہ کے نام پر لٹا کر اپنے لیے کچھ نہ رکھنا ہے، پیغمبرؐ کی زندگی تو سراپا سُنّت ہے اس کی موت بھی سُنّت ہے، کتنے ہیں جو اپنی دوکانوں پر قرآن و سُنّت کے کتبے لگا کر دولت پیدا کرتے لیکن مرتے وقت سب کچھ خیرات کر جاتے اور اپنے رب کے ہاں صرف اس کی خوشنودی لے کر جاتے ہیں؟

چھ نومبر کی صبح تھی میں خیالات کی اس رو میں بہہ رہا تھا کہ سہیل آ گئے وہ مکہ کے تاریخی مقامات دکھانے کا پروگرام بنا چکے تھے میں ان کے ہمراہ ہو گیا میں نے سہیل سے کہا سب سے پہلے مجھے وہاں لے چلو جہاں حضورؐ پیدا ہوتے تھے کیا وہ مکان محفوظ ہے؟ سہیل نے کہا مکان تو محفوظ ہے لیکن امتدار زمانہ سے بہت سی شکلیں بدل چکی ہیں اب عربوں کے حافظے کی روایتوں سے جو کسی خلا و خلل کے بغیر چلی آتی ہیں ان آثار کا تعین ہو گیا ہے کوئی کتبہ یا بورڈ نشاندہی نہیں کرتا اور نہ حکومت کو اس کی ضرورت کا احساس ہے وہ قرآن و سُنّت میں ان کے باقی رکھنے کا جواز نہیں پاتی۔ اس کے نزدیک اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ان آثار کو لوگ اپنے لیے عبادت گاہیں بنا لیتے ہیں ماضی میں یہی ہوتا رہا شرک وبا کی طرح پھیل گیا اور وہ لوگ جو توحید کے لیے پیدا کئے گئے تھے شرک کے ہو گئے۔

سہیل مجھے سیدھا اس مکان میں لے گیا جو مولد نبیؐ تھا لیکن اب وہاں ایک چھوٹی سی لائبریری ہے اُس وقت قفل چڑھا ہوا تھا یہ مکان حضورؐ کے دادا عبدالمطلب نے حضورؐ کے والد عبداللہ کو ان کی شادی پر دیا تھا حضورؐ نے عقیلؓ ابی طالب کو ہبہ کر دیا۔ حجاج کے عہد میں اس کے بھائی یوسف نے خرید لیا اور دار بیضا میں شامل کر دیا۔

خیزران کے عہد میں مدرسہ بنا دیا گیا اب یہاں مدرسہ بھی ہے اور لائبریری بھی —— اس پر کوئی نشان نہیں تب اس شارع پر بازار تھا کہ نہیں؟ لیکن اب بازار ہے اور گرد و پیش کے دوکاندار اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مکان محلہ زقاق میں ہے اس کو بیت النبیؐ بھی کہتے ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ (سلام اللہ علیہا) یہیں پیدا ہوئی تھیں حضورؐ نے اس مکان میں ۲۵ سے ۵۳ سال کی عمر تک قیام فرمایا کئی دفعہ جبرئیل امین اس مکان میں تشریف لائے اس کے چار کمرے تھے ایک کمرہ حضورؐ نے اپنے لیے مخصوص فرمایا تھا ہجرت کی تو یہ مکان حضرت عقیلؓ کو دے گئے اس کی نشاندہی بھی عربوں کا حافظہ ہی کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی شہادت نہیں۔ مسفلہ کے محلہ میں حضرت ابوبکرؓ کی مکی زندگی کا مکان ہے حضرت عثمانؓ کے مکان کی جگہ آج کل سعودی حکومت کا شفاخانہ اور مصری حکومت کا سفارت خانہ ہے۔

میں مولد نبیؐ اور بیت نبیؐ کے پاس کھڑا یہ سوچتا رہا کہ انسان کیا ہے! حضورؐ کی مکی زندگی یاد آگئی ان مکہ والوں نے حضورؐ سے کیا سلوک کیا تھا کہ ان کے مکانوں سے کوئی سلوک کرتے؟

عشق یہاں کچھ اداس ہو جاتا ہے کہ اہل مکہ نے محل اُجاڑ دیئے اور محل اُٹھا لیے ہیں پورے مکہ میں عہد نبویؐ کی دو چیزیں رہ گئی ہیں کھجور اور زمزم باقی ننانوے فی صد یورپ کا مال ہے۔

سہیل مکہ کی خوب صورت لیکن پیچ و خم کھاتی سڑکوں سے گھماتے پھراتے غار حرا پر لے گئے اس پہاڑ کو جبل نور کہتے اور اس کی چوٹی پر غار حرا واقع ہے۔ نبوت سے قبل حضورؐ چالیس برس تک اس چوٹی پر آتے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہے۔

سہیل نے کہا آؤ اوپر چڑھیں لیکن اوپر چڑھنا آسان نہ تھا ایک تو کوئی راستہ نہیں، وہی ٹیڑھی ترچھی مڑتی اور اٹھتی ہوئی پگڈنڈی ہے دوسرے میں عمر کی اس منزل میں ہوں کہ جوانی اپنے تمام آثار سمیت ہاتھ سے نکل چکی ہے یوں بھی مدۃ العمر کی ذیابیطس نے ہڈیاں چٹخا دی ہیں۔ وہ لوگ جن کا عشق اور عمر دونوں جواں ہوتے ہیں غار حرا تک پہنچ جاتے ہیں۔ میں نیچے کھڑا غار حرا کو تکتا رہا اس عظیم انسان کی ہمت کا اندازہ کیجیے جو مسلسل چالیس سال تک اس چوٹی تک پہنچتا اور اس غار میں عبادت کرتا رہا۔ علامہ مشرقی کا جملہ ہے کہ اس پہاڑ پر چڑھنا عام انسان کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ کا اولوالعزم پیغمبرؐ ہی آ جا سکتا تھا اور یہ صرف انہی کی ہمت کا معجزہ تھا ——

حکومت کے لیے مشکل نہیں کہ غار حرا تک چڑھائی آسان کر دے۔ سوال ایک شارع کا ہے اتنے حصہ کو ایک پختہ روش دے کر سہل کیا جا سکتا ہے اس قسم کی دو چار چیزیں محفوظ کر لی جائیں تو عیب کیا ہے اس سے قرآن و سنت کی خلاف ورزی کہاں ہوتی اور کہاں منشائے ایزدی کی نفی ہوتی ہے آخر حکومت خود کو بھی تو محفوظ کر رہی ہے اگر شریعت کا اتنا ہی خیال ہے تو شریعت یہ نہیں کہ جبل نور یتیم پڑا رہے۔ اور اس کی نگہداری سے قطع نظر کیا جائے شریعت کے احکام معاشرہ اور ریاست کے لیے ہیں آثار و مظاہر کے لیے نہیں کہ ان پر سختی برتی جائے جہاں اجتہاد لازم ہے وہاں اجتہاد کا نام بدعت بلکہ بغاوت رکھ دیا ہے۔ خلفائے راشدین کیا اپنے ساتھ حفاظتی دستے رکھتے تھے؟ وہ طیاروں پر اُڑتے پھرتے تھے! کیا انہوں نے گرما اور سرما کے دارالحکومت بنائے تھے! کیا ان کے محل اور قصر تھے؟ کیا ان کے لیے سیارے تھے؟ وہ شاہانہ کر و فر سے حرم میں داخل

ہوتے تھے؟ انہیں جلالتہ الملک کہا جاتا تھا؟ وہ فلک بوس عمارتیں کھڑی کرتے تھے؟ وہ سونے کے زیوروں اور ریشم کے کپڑوں میں نکلتے تھے؟ وہ ٹیلی ویژن لگاتے تھے؟ کہ ریڈیو کی آواز خوش پر مرتے تھے کہ انہیں فردوس گوش کی ضرورت تھی؟ یہیں کہیں ابوبکرؓ کا مکان تھا کیا وہ دو منزلہ تھا؟ یہیں عمرؓ رہتے تھے لشکر وسپاہ لے کر نکلتے تھے؟ اور وہ سامنے جہاں اب سعودی حکومت کا شفاخانہ ہے عثمان غنیؓ کا مسکن تھا ان کے دروازہ پر سنتا تلقی دستے تھے؟ علیؓ انہی بازاروں میں موٹا جھوٹا پہن کر پھرتے تھے بیت المال ان کا ذاتی خزانہ نہیں تھا، ان کی خواب گاہیں کھجور کے درختوں کی چھاؤں تلے تھیں قیصر کا سفیر انہیں دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا اور لوگوں کے اس جواب سے متعجب بے متحیر تھا کہ ہمارے ہاں بادشاہ نہیں ہوتے ہم اپنے کاموں کی سرانجام دہی کے لیے ایک امیر منتخب کر لیتے ہیں جب نئے دور کی سبھی چیزیں قبول کر لی ہیں تو ایک تاریخ اور اس کے خزینے ہی ایسے ہیں جنہیں محفوظ رکھنا بدعت ہے یا خلاف سنت، قرآن اس کی تائید نہیں کرتا یہ چیزیں ہر حالت میں محفوظ رہنی چاہئیں یہ سب اللہ کے آخری نبیؐ کی نشانیاں ہیں تاریخ کے جواہر ریزے اور عقیدے کے شہ پارے ہیں انہی سے تاریخ کو تحقیق اور زائروں کو عشق کی راہیں ملتی ہیں۔

غار حرا سیرت النبیؐ کا پہلا پڑاؤ ہے اب تک وہاں حضورؐ کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی اور ان کے ہونٹوں کا ارتعاش صبا میں گھلا ملا معلوم ہوتا ہے۔

"اقرا باسم ربك الذی خلق" کی آواز آرہی ہے

سلام ہو ——— اے جبل نور

سلام ہو ——— اے غار حرا

سلام ہو ——— اے گزر گاہ رحمتہ اللعالمینؐ

سلام ہو ——— اے مہبط وحی

سلام ہو ——— اے سرور کائنات کی تنہائیوں کے نشیمن

تو نے چالیس برس ازل سے ابد تک کے سب سے بڑے انسان کے پاؤں چومے ہیں۔

تو نے اس سے اور اس نے تجھ سے باتیں کی ہیں۔

تو نے اُسے آتے جاتے دیکھا ہے، سب سے پہلی وحی تیری آغوش ہی میں اس پر نازل ہوئی تھی۔

تو نے جبرئیل کے شہپروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی ہے۔

سلام ہو ——— اے جبل نور لاکھوں سلام صبح وشام

سلام غار حرا ——— !

ہم تیرے شکر گزار ہیں،

ہم تیرے احسان مند ہیں،

تمام کرۂ ارضی تیرا ممنون ہے،

تو نے رحمتہ اللعالمینؐ کو تخلیہ مہیا کیا،

تو نے ان کی خلوتوں کا گداز پایا،

تو نے ان کے آنسوؤں سے موتی چُنے،

ان کے نفس کی مہک سے جنتی ہو گئی،

تیری پیشانی پر ابد کا جھومر لٹک رہا ہے۔

تیرے آغوش میں کلام اللہ کا پہلا بول اُترا تھا،
سلام ہو اے جبل نور سلام ہو اے غار حرا،
تو سجدہ گاہ معرفت ہے،
کعبۃ اللہ میں عقیدت کے فرمان پر جبینیں جھکتی ہیں،
روضہ اطہر پر عشق کے حکم سے دل جھکتے ہیں،

اور ——— اے غار حرا
تیری بارگاہ میں وجدان کے اقتضاء پر نگاہیں جھکتی ہیں
سلام ہو ——— اے غار حرا
سلام ہو ——— اے جبل نور

یہ اس عاجز گنہگار، روسیاہ، خاطی اور محتاج کرم کی پکار ہے جو تیرے سامنے اس طرح کھڑا ہے جس طرح کشکول فقیر غنی کی چوکھٹ پر صدا دیتا، موج ساحل کو پکارتی تنہائی عشق سے ہم کلام ہوتی وصال اپنے جاوداں ہونے کی دعا مانگتا اور عمر رواں آخرت کے سفینہ پر آکر ٹھہر جاتی ہے۔

میں نے سہیل سے کہا آخر اس بے توجہی اور آثار فراموشی کی وجہ کیا ہے؟ جس جگہ کو قرآن سیرت اور حدیث و تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے وہ بے اعتنائی کی مستحق ہے؟ اگر یہ چیزیں مکہ سے نکال دی جائیں تو مکہ کے پاس کیا رہ جاتا ہے بیت اللہ نے مکہ کو معراج بخشا لیکن اس معراج کو جس صاحب معراج کی معرفت ہم نے پہچانا اور مکہ ہمیشہ کے لیے ام القریٰ ہو گیا۔ اس کے آثار و نقوش نہ ہوتے تو مکہ میں کرۂ ارضی کے انسان کے لیے کیا کشش تھی؟ یہ چیزیں تو بیت اللہ کے حاشیے ہیں، عربوں کو احساس ہی نہیں کہ ان کے شرف و امتیاز کو انہی چیزوں نے

زندہ کر رکھا ہے یہ سب جس آقا کے دم قدم سے ہے وہی آقا عربوں کو ابدالآباد تک اعزاز دے گیا ہے محمدؐ عربی نہ ہوتے تو عربوں کی "تاریخ اس کے سوا کیا تھی کہ اور قوموں کی طرح وہ بھی ایک قوم تھے حج اور عمرہ نے طلوع قیامت تک عربوں کی معیشت قائم کر دی ہے ان کے بازاروں کی رونق فخر موجوداتؐ کی ذات ہے کہ لوگ ان کے عشق میں ان کی دعوت پر کھچے آتے اور مہمان ہو کر میزبانی کرتے ہیں؟

میں نے سہیل کو یاد دلایا کہ آل سعود کی حکومت یورپ کی ہر چیز سے متمتع ہو رہی ہے حتیٰ کہ طبیعت کو جوان رکھنے کا ہر سامان یہاں موجود ہے لیکن جس علم نے یورپ کی بالادستی قائم کی اور اس نے جوڑ جوڑ کر اپنی "تاریخ گھڑ لی ہے وہ علم عربوں کے ہاں حقیقی ماخذ سمیت موجود ہے اور عرب ہیں کہ اپنی "تاریخ اپنے ہاتھوں مٹا رہے ہیں یورپ کا مزاج یہ ہے کہ وہاں علم کھنڈر تلاش کر رہا اور جستجو ویرانے کھود رہی ہے لیکن ہم تاریخ کی اس دولت سے جو سرور کونینؐ کے سوانح و افکار پر روشنی ڈالتی ہے اور عظیم المرتبت صحابہؓ کے حالات و کوائف سے آگاہ کرتی ہے ایک ایسا برتاؤ کر رہے ہیں کہ اس پر اغماض و استبداد دونوں کا اطلاق ہوتا ہے یہ تاریخ و عشق دونوں سے زیادتی ہے سعودی حکومت قرن اول کی حکومت نہیں آج کی بادشاہت ہے۔ بادشاہت منشائے نبیؐ نہیں قیصر و کسریٰ کی یادگار ہے کہ ہم نے اپنے لیے اسے مشرف بہ اسلام کر لیا ہے۔

سہیل کو اصرار تھا کہ یہ "بے حرمتی" یا "بے توجہی" شرک کی خرابیوں کا رد عمل ہے، لوگوں نے ان جگہوں کو معابد بنا لیا اور معبود حقیقی سے ہٹتے جا رہے تھے ان کے لیے بیت اللہ سے زیادہ بیعت رضوان کا درخت عزیز تھا کہ جس کے ہاں بچہ نہیں ہوتا

وہ عورتیں اس سے پیٹ چھوا کر اولاد مانگتی تھیں۔

میں نے سہیل سے کہا یہ کہانی صحیح بھی ہو تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے، کہ وہ چیزیں مٹا دی جائیں جو بہر حال تاریخ کی یادگار ہیں۔

آخر خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ بھی تو آثار ہیں؟ صفا و مروہ بھی تو شعائر اللہ ہیں، مزدلفہ کیوں جاتے ہیں؟ منیٰ کیوں پہنچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے؟ جمرۃ العقبیٰ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں، جو رسمیں وہاں ادا کی جاتیں وہ مظاہر ہیں ——— انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملت تیار کی بہ قول اقبالؒ دین اللہ کی طرف سے آتا اور ملت پیغمبر بناتے ہیں۔ اس عالی شان پیغمبر کا مولد و مسکن، اس کی دعوت کے مراکز و منازل اور نزول وحی کے محور و مہبط کیوں نہ محفوظ کئے جائیں اس کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟ یہ سب یادگاریں ان انسانوں کی ہیں جو تاریخ کے دھارے کو ابد الآباد تک موڑ کے زندہ جاوید ہو گئے۔ جن کا نام اور کام صبح قیامت تک زندہ رہے گا جن کے لیے تمام عزتیں ہیں جو حضورؐ کے اہل بیت تھے وجدان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتے پھرتے دیکھتا ہے۔ ان کے آثار محفوظ نہ رہیں تو پھر کون سی چیز محفوظ کی جائے گی۔ سعودی حکومت نے شرک کو منہدم کیا لیکن ساتھ ہی عشق کو بھی مسمار کر دیا ہے۔ وہ شرک و عشق میں امتیاز نہیں کر سکی حالانکہ یہ چیزیں عقیدہ نہیں تاریخ ہیں جس قوم نے سب سے پہلے دنیا کو تاریخ دی اور جس کے ماخذ کلام الٰہی نے محفوظ کئے ہیں۔ وہ قوم آج اپنی تاریخ مٹانے پر تُلی ہو تو یہ ایک المیہ ہے ان آثار کی تعظیم دین کا مسئلہ نہیں بلاشبہ توحید باری ان پرستشوں کی اجازت

نہیں دیتی لیکن یہ مسئلہ تہذیب کا مسئلہ ہے!

اسلام کی اس سرزمین پر آل سعود کی حکمرانی ضرور ہے اور اس کا نظم و نسق بھی اسی کے حوالے ہے لیکن یہ علاقہ آل سعود کی میراث نہیں بلکہ ملت عربی بھی تنہا اس کی وارث نہیں یہ سرزمین بالخصوص مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کی سرزمین جہاں تہاں رسول اللہؐ آتے جاتے رہے ——— بلکہ پورا عرب دنیائے اسلام کا امین ہے تمام مسلمان حکومتوں کو مذہباً اس کی تولیت حاصل ہے، آل سعود تو اس کی مسئول ہے۔

سہیل کو میرے جذباتی ہونے کا یقین ہو گیا اس کے باوجود میں نے اُسے قائل کر لیا کہ یہ چیزیں اس بے رخی کی سزاوار نہیں یہ تاریخ کے اجزا ہیں اور انہیں اس لحاظ سے باقی رہنا چاہیئے کہ علم کے چار ذریعے ہیں پہلا وحی دوسرا آثار قدماء جس کی بنیاد قرآن حکیم نے سیروفی الارض پر رکھی اور تاریخ کو ایام اللہ کے ذکر سے تعبیر کیا ہے، تیسرا ذریعہ علم النفس اور چوتھا صحیفۂ فطرت ہے۔ سیروفی الارض کی غایت کیا ہے؟ آثار قدماء کا مطالعہ! یہی چیزیں ہیں جو تاریخی عصبیت کو زندہ رکھتی اور عقیدہ میں عقیدت پیدا کرتی ہیں۔

جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل قبرستان ہے منیٰ کے راستہ پر مسجد الحرام سے ایک میل دور ہے یہاں سے ایک چوڑی سڑک نکالی گئی ہے جس سے قبرستان کے دو حصے ہو گئے ہیں گرداگرد ایک پختہ چہار دیواری ہے کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں سب نشان ڈھا دیئے گئے ہیں ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں چراغ نہ پھول، کسی کسی قبر پر نشاندہی کے لیے کنکریاں پڑی ہیں۔

عجب ویرانہ ہے۔ جس حصہ میں حضرت اسماءؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہؓ بن مبارک، امام ابن جبیرؒ اور سعید بن مسیّب (کشتگان حجاج بن یوسف) کی قبریں ہیں وہاں اندر جانے کے لیے ایک دروازہ ہے لیکن وہ قبور پر حاضری کے لیے نہیں نئی میتوں کے لیے ہے ——— اور جس حصہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور ان کے افراد خاندان آرام فرما رہے ہیں یا حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہ، حضورؐ کے لخت جگر قاسم اور حضورؐ کے چچا ابو طالب مدفون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں، ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہو گئی ہیں کسی تودہ پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے۔ پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا ———

میں اور سہیل ایک پہاڑی پر چڑھ گئے وہاں سے حضرت خدیجہؓ کی قبر پر نگاہ کی ام المومنینؓ کا مزار ——— ! میں کانپ اٹھا، میرا دل دھک دھک کرنے لگا مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے لیکن جس عورت کو پیغمبر آخر الزماں کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فاطمۃ الزہراؓ کی ماں تھیں وہ ایک قبر ویران میں پڑی ہیں۔ میں اپنے تئیں ضبط نہ کر سکا آنکھوں میں بدلیاں آگئیں میں نے کہا سہیل! عربوں کا مزاج ہی ان کے لیے سزا ہے کیا خدیجۃ الکبریٰؓ مکی زندگی نہیں گزار رہیں۔ حضورؐ کو بعثت کے پہلے گیارہ سال ستایا گیا۔ ام المومنینؓ کو اب ستایا جا رہا ہے ———

حضورؐ مدینہ میں ؟ ام المومنینؓ مکہ میں ! اس عورت ——— عظیم عورت کا انسانیت پر کتنا بڑا احسان ہے ؟ سب سے پہلی آواز جس نے نبوت کی بشارت پر صاد

کیا اپنی جسارت پر مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے اس ڈھیری (لحد) کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ کیا۔ میں ہل گیا ایک کپکپی طاری ہو گئی ——— کہ

مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

جو لوگ اس کا نام قرآن و سنت کے احکام رکھتے وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے، اونچے اونچے محل بناتے، محمدؐ عربی کی دولت سمیٹتے اور اس کا نام خزانہ شاہی رکھتے ہیں جس ذات اقدس کے صدقہ میں عزتیں پائی ہیں اس کے آثار اقدس کی یہ بے حرمتی! یہ قرآن و سنت نہیں اہانت اور صریحی اہانت ہے اللہ کی زمینیں اور ان کے دفینے سب اس کی مخلوق کا مال ہیں۔ کسی فرد کو یہ حق نہیں کہ انسانوں کو گلہ بنا کے خود چرواہا بن بیٹھے گوشت کھالے کھالیں بیچ ڈالے، موت کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی جو موت کی اس طرح ہتک کر رہے ہیں موت ان سے بھی متعاقب ہے لیکن جنت المعلیٰ میں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ہمیں زندہ کر گئے ہیں ہتھا رہے گئے جو منہ پھیر کے شاہوں پر نگاہ کرتے تو ان کی گوڈریوں سے خلعت فاخرہ کانپ اٹھتے تھے۔ سعودی حکومت عشق اور شرک میں فرق نہیں کر سکی ہے ——— رحمت ان قبروں میں سونے والوں پر اور عبرت ہمارے لیے!

——— کتنی عظیم زندگیاں ان قبروں میں سو رہی ہیں۔

جبل عمر کو کاٹ کر اس کے بیچوں بیچ ایک سڑک نکالی گئی ہے یہ سڑک ایک طرف جدہ کو مڑتی دوسری طرف مدینہ طیبہ کو جاتی ہے سڑک بڑی کشادہ ہے اس کے دو رویہ نچلے متوسط درجے کے لوگ رہتے ہیں نئے نئے مکانوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے وہ حصہ جہاں سے پہاڑ دو نیم کیا گیا اور سڑک نکالی گئی ہے ایک

عجیب تاثر پیدا کرتا ہے۔ اب بھی اس پہاڑ سے ایک دبدبہ جھلکتا اور ایک ہیبت برستی ہے۔

——— دارارقم میں حضورؐ دعا کر رہے ہیں الٰہ العالمین! ابن ہشام (ابوجہل) اور ابن خطاب (عمرؓ) میں سے کوئی ایک اسلام کو دے دے۔ عمر حضورؐ کے قتل کی نیت سے جا رہے ہیں اور پہاڑ خندہ زیر لبی سے کہہ رہا ہے نے شمشیر والے! تجھ میں بوتا کہاں کہ اس نگاہ کی تاب لا سکے تھوڑی سی دیر میں وہ نگاہ تجھے شکار کرے گی۔ کاٹ اس کی ہے جو اپنے بسملوں کو زندہ جاوید کرتی اور اپنے زخمیوں کو آب حیات پلاتی ہے ——— اتفاقاً نعیم بن عبداللہؓ مل جاتے ہیں، کہاں جا رہے ہو عمر!

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔"

نعیم: "پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں"۔ فوراً پلٹے، بہن قرآن پڑھ رہی ہیں بھائی کی آہٹ سنی تو چپ ہو گئیں، قرآن کے اجزا چھپا لیے آواز عمر کے کانوں میں پڑ چکی تھی بہن سے پوچھا کیسی آواز تھی، بولیں کچھ نہیں، کہا میں سن چکا ہوں، تو تکرار ہو گئی ——— بہن نے اقرار اور اعلان کیا کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے اور اب اس کے دل سے اسلام نہیں نکل سکتا۔ عمر نے خواہش کی اچھا قرأت کرو، عمر کا دل ہل گیا۔ بہ قول اقبالؒ ———

دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

عمر سیدھا حضورؐ کے ہاں پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، محسن کائناتؐ نے پوچھا، عمر کس ارادے سے آئے ہو؟ نہایت خشوع کے ساتھ عرض کی ——— ایمان

لانے، حضورؐ اور صحابہؓ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں اس وقت تک کوئی چالیس آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور انتہائی بے بسی کا عالم تھا ان کے لیے اپنے اسلام کا اعلان کرنا مشکل تھا۔ وہ چوری چھپے نماز پڑھتے تھے ان کا کعبہ میں نماز پڑھنا ناممکن تھا۔ عمرؓ نے بآواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا، مشرکین مکہ دشمن ہو گئے لیکن عمرؓ نے کہا اب نماز کعبہ میں ہو گی ——— چنانچہ حق و باطل کے اس معرکہ میں اسلام کی سربلندی پر حضورؐ نے انہیں فاروق کا لقب مرحمت فرمایا، بہ قول عطاء اللہ شاہ بخاری عمرؓ حضورؐ کی مراد تھے اس مراد نے مسلمانوں کو بامراد کیا کفار مکہ بے مراد ہو گئے۔

جبل عمر پر میں اور سہیل گھنٹہ بھر کھڑے رہے ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے باوجود میں محسوس کر رہا تھا کہ میں عمرؓ کے سامنے لایا گیا ہوں ان کے ہاتھ میں دُرّہ ہے، وہ مجھ سے سوال کر رہے ہیں تم کس صدی کے مسلمان ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کون ہو؟ اور میں جواب دینے کی ہمت نہیں پاتا۔

معاً تصور نے پلٹا کھایا جیسے میں سو رہا تھا اور میری آنکھ کھل گئی ہو ——— میں نے سوچنا شروع کیا۔

کاش! میری پیٹھ عمرؓ کے دُرّہ سے ممیز ہوتی۔

کاش! میں اس ریوڑ میں ہوتا جو حضورؐ چرایا کرتے تھے۔

کاش! میں عثمانؓ کے باغ کی جھاڑ ہوتا۔

کاش! صدیق اکبرؓ کے ان قدموں کی چاپ ہوتا جو رسول اللہ کے ساتھ غار ثور کی طرف گئے تھے۔

کاش! میں کھجور کی وہ چھال ہوتا جو علی مرتضیٰ رض کا تکیہ تھا۔

وہ ریوڑ، وہ قدم، وہ دُرّہ، وہ جھاڑ، وہ چھال کتنے بیش بہا تھے مجھے اپنے انسان ہونے پر شرم آنے لگی! سوچ دائرے بنانے لگی، خیالوں کا لاؤ لشکر بندھ گیا وہ تمام مقدس لوگ جو اس کرہ کی آبرو اور ان مکانوں کا شرف تھے۔ میرے سامنے سے گزر گئے اس طرح جیسے نور کی لکیر اندھیرے میں پھیل کر سن سے نکل جاتی ہے۔

عقیدے نے مجھے اللہ کا بندہ، عشق نے حضورؐ کا شیدا اور تاریخ نے عمرؓ کا گرویدہ کر دیا، ابوبکرؓ کی شخصیت، عثمانؓ کی شہادت اور علیؓ کے فقر کی چھاپ دل پر اس طرح لگی کہ اس رنگ کا صبح قیامت تک اُترنا ممکن نہیں رہا یہ خُدا کی دین ہے۔

تاریخ سلام عمرؓ کے جلو میں ہے، خلافت راشدہ کے فخر و ناز کی پونجی ان کے بغیر نصف رہ جاتی ہے انہیں نبوت نے فتح کیا وہ خلافت راشدہ کا دل تھے افسوس کہ آج عربوں کی پوری کھیپ میں ایک بھی عمر نہیں ہے ——— ع

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے

عربوں کو اب بھی ایک عمر کی ضرورت ہے جبل عمر بلاشبہ انہی تکبیروں، انہی خطبوں انہی آوازوں اور انہی انسانوں کے انتظار میں کھڑا ہے جنہیں زمانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اور جو قیامت کی صبح کو لوٹیں گے ——— عمر فاروق رض چلے گئے، عمر رواں گزر رہی ہے ہم اس زمانہ میں پیدا ہوئے جب انسانوں کو زنگ لگ گیا اور ذہنوں کا رنگ بدلا گیا، جب پہاڑ کاٹے جا رہے ہیں اور ایک کرہ دوسرے کرہ سے بغل گیر ہو رہا ہے جب سائنس نے اعلان کیا ہے کہ وہ انسان کی آوازیں خلا سے اُتار لے گی اور وہ سب کچھ سُنا جائے گا جو عہدِ عتیق کے مقدس انسانوں کی میراث ہے وہ آوازیں

کب ہاتھ آئیں گی، ہماری زندگی میں یہ ہوگا؟ یا ہم اس سے پہلے ہی رختِ سفر باندھ کر جا چکے ہوں گے؟ کیا ضروری ہے کہ سائنس ہی وہ آوازیں سنائے، عشق کو زندہ کیجیے اور سنئے کہ وہ آوازیں آ رہی ہیں، وہ تکبیریں گونج رہی ہیں جو فتح مکہ کے دن بیت اللہ کے صحن میں بلند ہوئی تھیں اور جن سے کفارِ مکہ لرزہ براندام ہو گئے تھے۔

غار ثور مکہ معظمہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ہے اور راستہ کٹھن ہے اس کے مشابہہ یہاں اور بھی کئی غار ہیں سعودی حکومت معمولاً تلوار لیے کھڑی ہے ——— امتناع اور تغافل کی تلوار، حالانکہ غار ثور ہجرت پیغمبرؐ کا سرنامہ اور مسافرت نبویؐ کا دیباچہ ہے۔

حضرت علیؓ بستر نبوت پر استراحت فرما رہے ہیں حضورؐ، ابوبکرؓ کی معیت میں سامان سفر باندھ چکے اور عبداللہ ابن زبیرؓ کی عظیم ماں اسماءؓ بنت ابی بکر کھانا تیار کر رہی ہیں ——— فرمایا

مکہ تو مجھے دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے

کفارِ مکہ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے کہ محمدؐ کہاں چلے گئے وہ ادھر اُدھر بھاگ رہے ہیں غار ثور تک آ پہنچے ہیں لیکن مشیت الٰہی نے غار کے دہانہ پر مکڑی سے جالا بنوا دیا اور شروع میں ببول اُگا دیا ہے۔ خدا کے حبیبؐ کا فدائی ابوبکرؓ غمزدہ ہے۔ مبادا ان بدبختوں کے ہاتھوں ہدایت کا آخری چراغ گل ہو جائے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:

لاتحزن ان اللہ معنا

گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے

غار ثور تین دن میزبان رہا۔ عبدالرحمان بن ابوبکرؓ شب کو وہیں سوتے منہ اندھیرے

چلے جاتے اور شام تک، قریش مکہ کی خبریں اکٹھی کرتے پھر رات واپس آ کر گوش گزار کرتے ابوبکرؓ کا غلام (عامر بن فہیرہ) کچھ رات گئے بکریاں چراتا۔ آپؐ اور ابوبکرؓ انہی بکریوں کا دودھ پیتے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے ابوبکرؓ کی بیٹی اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر لاتیں تین دن اور تین رات یہ دونوں عظیم وجود وہاں ٹھہرے۔ پھر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

سراقہ بن مالک جعشی قریش کے گراں بہا انعام کی دھن میں نکلا دور تک تلاش کرتا چلا گیا لیکن اللہ کا رسولؐ قریش کے بداِرادوں سے مامون ہو چکا تھا۔

غارِ ثور ان دو انسانوں کے بعد کہ ان میں ایک پیغمبرؐ تھا ایک صدیقؓ اداس پڑا ہے اس کا تذکرہ قرآن میں محفوظ ہے۔ لیکن بادشاہت نے قرآن و سنت کی آڑ میں اس پر ویرانی کی دیوار کھینچ دی ہے!

ابوبکرؓ نے جہاں مکی زندگی گزاری تھی ہم اس مکان سے ہوتے ہوئے دارارقم پہنچ گئے اب صفا کے پہلو میں اس کا نشان رہ گیا ہے ایک بہت بڑی بلڈنگ جس میں کئی دوکانیں اور دفاتر قائم ہیں۔ صفا اور مروہ کے حاشیہ پر کھڑی ہے۔ اس عمارت میں یہ مکان بھی ضم ہو چکا ہے اس مکان کو بڑے شرف حاصل تھے حضرت ارقمؓ گیارہ یا بارہ اصحابؓ کے بعد ایمان لائے تھے۔ تب سرورِ کائناتؐ اور ان کے گیارہ بارہ ساتھی اس مکان میں چھپ کے رہتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہیں اسلام قبول کیا تھا منصور عباس نے حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمانؓ کو امام حسن کے پوتے کی حمایت کے جرم میں قید کر دیا پھر رہائی کا وعدہ دے کر یہ مکان سترہ ہزار دینار میں خرید لیا۔ خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزراں کو دے دیا آخر یہ مظہرِ قدس جہاں قرآن پاک کی بہت سی آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ شاہوں کی نذر ہو کر محو ہو گیا۔

ابوسفیانؓ کے مکان میں سعودی حکومت کا شفاخانہ ہے جانے کتنے مریضوں کو شفا ہوتی ہے! کعبۃ اللہ سے باہر صفا کے نشیبی رخ پر جہاں کبھی ابوجہل کا مکان تھا۔ حکومت نے تہہ خانہ دے کر ہر قسم کی بدبو سے محفوظ بیت الخلاء بنا دیا ہے ایک وقت میں کوئی پانچ سو افراد آ جا سکتے ہیں۔

مکہ کا چپہ چپہ تاریخی ہے لیکن جو چیز محفوظ نہیں کی گئی وہ تاریخ ہی ہے۔ بیت اللہ کے علاوہ کوئی مسجد اپنی روایتوں کے مطابق محفوظ نہیں بعض جگہ لیپا پوتی کی گئی ہے لیکن واجبی! مسجد الرآیہ، مسجد الجن، مسجد حنیف، مسجد العقبیٰ وغیرہ قرآن کے نزول اور اللہ کے رسولؐ کی نشانیاں ہیں لیکن انہیں کوئی شاہجہان یا اورنگزیب نہیں ملا۔ بیت اللہ کے شمال مشرقی کونے میں ایک قدآور پہاڑ پر مسجد بلال ہے بیت اللہ سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے الف پر مد کھچی ہوئی ہے یا پہاڑ نے آغوش میں شیرخوار بچہ اٹھا رکھا ہے۔ یا کسی بدو عورت کی پیشانی پر جھومر لٹک رہا ہے یا جبل ابی قیس پر اذانِ بلال فراقِ یار میں ضم ہو گئی ہے۔ یہ چھوٹی سی مسجد پہاڑ کی چوٹی پر دیوانِ بلال کا مطلع اول ہے۔ گماں ہوتا ہے کہ پہاڑ کی پلکیں سفید ہو گئی ہیں۔ اور یہ بھی نظر آتا ہے کہ جبل ابی قیس قصیدہ ہے تو یہ اس کی تشبیب! جیسے پہلو میں دل یا نگاہ میں سوال، کعبۃ اللہ سے اتنی بلند ہے کہ اس کے میناروں سے بھی اونچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے غلام کو اس طرح سرفراز کیا ہے شق القمر کا معجزہ اسی پہاڑ ہی پر ہوا تھا۔ حضورؐ نے یہاں ہی سب سے پہلے اہل مکہ کو پکارا تھا۔ سیدنا ابراہیمؑ نے یہیں سے حج کا اعلان کیا تھا اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تھا۔ جنہوں نے کہا مسجد بلال میں بھی دو رکعت پڑھ لو لیکن بیت اللہ کے سجدوں سے بڑھ کر کوئی سجدہ نہیں ——

مسجد بلال کو نیچے کھڑا تکتا رہا اور سوچتا رہا ۔

وہ عظیم حبشی رضؓ میرے سامنے تھا۔ جو پہلے سات حلقہ بگوشاں رسالت میں سے ایک تھا جس کو عشق رسولؐ میں اتنا ستایا گیا کہ پہاڑ اس کی تاب نہ لا سکے ۔

وہ تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دھکتے ہوئے انگاروں پر لوٹ رہا ہے ابوجہل نے اوندھے منہ لٹا کر اوپر چکی کے پاٹ رکھ دیئے ہیں۔ لڑکوں نے گلے میں رسیاں ڈال رکھی ہیں۔ لیکن سب گوارا ہے محمدؐ عربی سے انحراف گوارا نہیں اسے گائے کی کھال میں لپیٹ کے اور لوہے کی زرہ پہنا کر بازاروں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔

لیکن زبان احد احد پکار رہی ہے ابوبکرؓ آتے معاوضہ دے کر خریدتے اور کھڑے کھڑے آزاد فرما دیتے ہیں لیکن بلالؓ کہاں جاتے وہ تو محمدؐ عربی کے عشق کی رسی میں بندھ چکے تھے ——————

بلالؓ اذان دے رہے ہیں مردوں کے ٹھٹ لگ گئے ہیں عورتیں شبستان حرم سے نکل آئی ہیں اور بچے کھیل کے میدان سے آکر گوش برآواز ہو گئے ہیں ایک آواز نے سب پر جادو کر دیا ہے۔ بلالؓ آستانہ نبوت پر کھڑے عرض کر رہے ہیں۔

یا رسولؐ اللہ نماز تیار ہے

اور رسولؐ اللہ، بلالؓ کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں پہلی اذان بلالؓ کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو عہد کر لیا اب اذان نہیں دوں گا لیکن عمرؓ ساتھ لے کر بیت المقدس میں گئے تو اذان کی فرمائش کی مجمع نے بلالؓ کا نغمہ سنا تو بے تاب ہو گیا۔ عمرؓ کی ہچکی بندھ گئی۔ کچھ دنوں بعد بلالؓ شام سے مدینہ آئے۔ حسنینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے۔ حسنینؓ نے کہا فجر کی اذان دیجئے

آقا کے نواسوں کی خواہش تھی کیونکر ٹالتے؟ سارا مدینہ گونج اٹھا، مرد و زن آبدیدہ ہو گئے جہاں تہاں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی کہ مؤذنؓ رسولؐ کی آواز تنہا گونج رہی ہے اسد الغابہ میں ہے کہ مدینہ میں ایسا پُراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا ——

بلالؓ آج بھی زندہ ہے۔ جبل ابی قبیس اب بھی اس کے قدموں کی چاپ سنتا اور اس کی اذانوں سے رعشہ محسوس کرتا ہے۔ ابوجہل مٹ گیا، بلالؓ زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہیگا جب تک کائنات باقی ہے اذان گونجتی ہے سلام باقی ہے، قرآن بولتا ہے اب بھی وہ حبشی کعبہ کی چھت پر پکار رہا ہے اور قریش مکہ جو اپنی خاندانی وجاہتوں کے پٹکے باندھ کر لات و عزیٰ کے سامنے گردن نہیوڑاتے تھے چاروں طرف دم بخود کھڑے ہیں۔

اللہ اکبر　　اللہ اکبر

اللہ اکبر　　اللہ اکبر

اشہد ان لا الہ الا اللہ　　اشہد ان لا الہ الا اللہ

اشہد ان محمد رسول اللہ　　اشہد ان محمد رسول اللہ

حیّ علی الصلوہ　　حیّ علی الصلوہ

حیّ علی الفلاح　　حیّ علی الفلاح

اللہ اکبر　　اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ

وہ زمانہ بھی تھا کہ عمارؓ بن یاسر پٹ رہے ہیں ان کے والد موت کے چنگل میں ہیں، ان کی والدہ کو ابوجہل نے برچھی مار کر آخری نیند سلا دیا ہے، صہیبؓ رومی اذیتوں کے

تسلسل سے حواس کھو بیٹھے ہیں، ابو فکیہؓ کے سینہ پر بھاری پتھر پڑا ہے اور ان کی زبان باہر نکل آئی ہے، حضرت زنیرہؓ ابو جہل کی مار کھاتے کھاتے آنکھیں کھو بیٹھی ہیں ان کا جرم کیا ہے کہ محمدؐ کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں یہ غلام ہیں یا کنیزیں ——————!!

دارالندوہ جو کبھی روسائے مکہ کا مرکزی دفتر تھا جہاں رسولؐ اللہ کے خلاف مشورے ہوتے تھے اور وہ غلامان رسالت کی چیخوں پر ہنستا تھا آج کعبۃ اللہ کے قدموں میں ہے اس کے روساء کو موت چاٹ گئی ہے لیکن ان غلاموں اور لونڈیوں کے نام ابدالاباد تک زندہ ہو گئے ہیں کہ یہ خدا اور رسولؐ کی محبت کے جرم میں ستائے گئے تھے۔ اب انہیں تمام امت کے افراد میں اولیت حاصل ہے۔

عشق مکہ کی پہاڑیوں میں ہے اس مکہ میں نہیں جو اب بن گیا اور بن رہا ہے جہاں یورپی اور جاپانی مصنوعات کی مارکیٹیں ہیں کہ وہاں عشاق نہیں خریدار آتے ہیں صبح و شام گاہک ٹوٹے پڑتے ہیں عربوں کا سونا اور حجاز کا تیل سب غیر ملکی مصنوعات درآمد کئے جانے پر صرف ہوتا ہے یورپ اور جاپان کے سامان عیش کی اس سے بڑی مارکیٹ کسی خطہ میں نہیں۔ دوسرے ملکوں سے لوگ یہی اشیاء ان کے حسن یا اپنی نمائش کے لیے خریدتے ہیں لیکن یہی چیزیں یہاں درآمد ہو کر تحفۂ حرمین اور ثواب دارین ہو جاتی ہیں سکرٹ اور منی سکرٹ تک بکتی ہیں۔ ان کی بڑی خریدار عرب عورتیں ہیں۔ کھانے کی اکثر چیزیں باہر سے آتی ہیں آئس کریم تک امریکہ اور انگلستان سے آتی ہے مکہ کے لوگ تو اب تک تسبیح تیار نہیں کر پائے جاء نماز نہیں بنا سکے عقال تک درآمد ہوتا حتیٰ کہ مصلے اٹلی سے بن کے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں یورپ مہیا کرتا۔ عرب خرید کرتے اور وہ لوگ جنہیں دنیا بھر کے ملکوں سے عقیدہ و عشق یہاں

کھینچ کے لاتے ہیں ان کے ہاتھ فروخت ہوتے ہیں، سوئی اور بٹن تک عربوں کے نہیں کاغذ اور قلم ایک طرف رہے پاؤں کے جوتے بھی جاپان اور یورپ سے آتے ہیں پہلے تو حرم کے لیے پتھر بھی اٹلی سے آتا تھا غیرت ایزدی نے گوارا نہ کیا حجاز کے پہاڑوں سے پتھر نکلا اور وہی حرمین کے علاوہ بعض تاریخی مسجدوں میں لگ رہا ہے، ہر بازار یورپ کی منڈی ہے، کعبۃ اللہ کے چاروں طرف جتنی دوکانیں ہیں ان لوگوں کی مصنوعات سے بھری پڑی ہیں جن کا داخلہ حرم میں ممنوع ہے وہ حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکتے داخل ہوں تو قتل کئے جا سکتے ہیں۔ ان کے قتل پر قصاص نہیں، بیروت (لبنان) کے رسالے جو امریکہ و فرانس اور برطانیہ و جاپان کے عریاں رسالوں کے کان کترتے ہیں کعبۃ اللہ کے اڑوس پڑوس کی دوکانوں اور سٹالوں پر کھلم کھلا بکتے ہیں ان کی خریدار امرائے عرب کی عورتیں ہیں۔

یہ پورا دن سہیل کی ہمراہی میں نکل گیا عصر اور مغرب کی نمازیں حرم میں پڑھیں پھر فضل حق کی دوکان پر دوست اکٹھے ہو گئے ان سے پاکستان کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ حرم میں رہنے کے باوجود انہیں اپنے وطن کی یاد آتی اور وہ ملک کا ذکر اس محبت سے کرتے ہیں جس محبت سے ہمارے ہاں نچلے متوسط طبقہ کے لوگ دن ڈھلے لوک گیت اور لوک کہانیاں چھیڑ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

عشا کی نماز پڑھ کر ہم ملک عبدالحق کے ہاں چلے گئے ان کے ہاں کھانا تھا۔ وہاں کئی دوست مل گئے پاکستان ہی کا ذکر رہا محمد اشفاق قریشی اور ظفر اقبال انجینئر کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی سے عربوں کی عادات اور خصائل کا پتہ چلا، عرب کے مختلف موضوعات پر بات چیت رہی میرا یہ احساس پہلے سے کہیں زیادہ قوی ہو گیا کہ

ہم فارسی کے بجائے عربی سیکھتے تو بہتر تھا اب تو وہ عرب ہی نہیں رہے جو کبھی تھے اور جن کی تاریخ ہمارے لیے سلام کی تاریخ ہے لیکن برِ عظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو عرب سلام ملتا تو مسلمان معاشرہ اس سے مختلف ہوتا جو آج ہے اور جس میں ایران و ہندوستان کی پراچین تہذیب کے پیوند لگے ہوئے ہیں۔

ایک پچھلے شب بیت اللہ چلا گیا نور کا وہی سماں جو ہر لحظہ ہوتا ہے، بندھا ہوا تھا اور لوگ طواف کر رہے تھے پہلے طواف کیا پھر مقام ابراہیم کی طرف یکسو ہو کر بیٹھ گیا۔ سورہ اخلاص کا ورد کرتا رہا اقبال کا یہ شعر ذہن میں آگیا ؎

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

شعر کا جو لطف یہاں آیا اور جس مزے میں پڑھتا رہا بیان کرنا مشکل ہے معانی و مطالب کی اتنی گرہیں کھلیں کہ سمیٹنا دشوار ہو گیا۔

ایک کے بعد دوسرا دور، باور کیجئے وہ لوگ جو اس کی بنیاد رکھ گئے کہیں گئے نہیں یہیں ہیں اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے وہ ہمیں دیکھتے ہیں یہ ابراہیمؑ کا اٹھایا ہوا اور محمدؐ کا بسایا ہوا گھر ہے اس کو ڈھانے والے خود ڈھے گئے لیکن یہ پہلے ہی دن کی طرح جگمگا رہا ہے۔

عبداللہ ابن زبیرؓ حطیم میں نماز ادا کر رہے ہیں ایک رات قیام میں گزارتے دوسری رکوع میں تیسری سجدہ میں ابن عباس کہتے ہیں کہ ان کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ہو بہو تصویر ہے عثمانؓ بن ابی طلحہ کی روایت کے مطابق کوئی شخص تین چیزوں میں ان کا حریف نہیں عبادت، بلاغت اور شجاعت۔ سات یا آٹھ

سال کے تھے کہ زبیرؓ نے بیعت نبوی کے لیے پیش کیا گود میں تھے کہ ماں نے آغوش میں دے دیا۔ حضورؐ نے تبرکاً کھجور چبا کر منہ میں ڈالی اس مائدہ عالم سے جو سب سے پہلی نعمت عبداللہ کے منہ میں گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ آپ کے والد حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ آپ کی پھوپھی تھیں حضورؐ کی پھوپھی صفیہؓ آپ کی دادی اور ابو بکر صدیقؓ نانا تھے ان کی بیٹی اسماءؓ والدہ اور اُم المومنین عائشہؓ خالہ تھیں ——— کتنا صالح خون ایک انسان میں جمع ہو گیا تھا۔

عام بچے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر ہٹ جاتے اور کھیلتے ہوتے بھاگ جاتے۔ تھے ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے سب بچے بھاگ گئے لیکن ابن زبیرؓ اپنی جگہ کھڑے رہے حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم کیوں نہیں بھاگے؟ تڑاک سے جواب دیا۔

"میں کیوں بھاگتا نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا نہ راستہ تنگ تھا کہ آپ کے لیے چھوڑتا"۔

مختلف جنگوں میں اس بے جگری سے لڑے تھے کہ ان کے بدن پر چالیس سے زیادہ زخم تھے، امیر معاویہؓ کو یزید کی جانشینی کے مسئلہ پر دو ٹوک جواب دیا تھا۔ معاویہؓ نے رحلت کے وقت اپنے بیٹے کو جن دو عربوں سے بچنے اور نمٹنے کے لیے کہا تھا ان میں ایک امام حسینؓ اور دوسرے ابن زبیرؓ تھے۔ چنانچہ جبل ابو قبیس سے پہلی آتش باری یزید کے حکم پر حصین بن نمیر نے کی، اس دوران میں یزید مر گیا۔ حصین بن نمیر لوٹ گیا ———

جبل ابو قبیس کی طرف دیکھا تو مسجد بلال کے گرد و گرد کئی ہنڈے روشن تھے ۷۲ ہجری کا زمانہ پھر گیا حجاج کئی ماہ سے حرم کا محاصرہ کئے بیٹھا ہے آتش زنی اور سنگ باری کا سلاب اُمڈ رہا ہے محاصرہ کی سختیوں نے قیامت صغریٰ بپا کی ہوئی ہے عبد اللہ ابن زبیرؓ کے دس ہزار آدمی ان کا ساتھ چھوڑ کے حجاج کے ساتھ مل گئے ہیں، حتیٰ کہ حمزہ اور حبیب دو لڑکوں نے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے عبد اللہ ابن زبیرؓ سَو برس کی بڑھیا ماں اسماءؓ سے پوچھتے ہیں۔

اماں ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں؟

صدیق اکبرؓ کی بیٹی کہتی ہیں،

"لخت جگر تم کو اس کا یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور حق کی دعوت دیتے ہو تو جاؤ اس کے لیے لڑو، کب تک دنیا میں رہنا ہے حق پر جان دے دینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے" ———

بیٹا کہتا ہے اماں مجھے یہ خوف ہے کہ حجاج میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائے گا اس کی بے حرمتی کرے گا۔

ماں کہتی ہیں،

"بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام کرو۔"

ماں رخصتی بوسہ دیتے وقت زرہ اُتروا دیتی ہے کہ جان دینے والے زرہ نہیں پہنا کرتے وہ کعبۃ اللہ میں لوٹ آتے اور سینہ سپر ہو جاتے ہیں مقام ابراہیمؑ کے آس پاس ایک شامی کا پتھر لگا سر کھل گیا چہرہ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا زبان پر ایک شعر تھا کہ

"ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون گرتا ہے ہم وہ ہیں کہ ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔"

حجاج نے قتل کے بعد لاش کو سُولی پر لٹکوایا اور اسماءؓ کو بلوایا ماں نے بیٹے کو سولی پر دیکھا تو حجاج سے کہا،

"کیا ابھی اس سوار کے اُترنے کا وقت نہیں آیا؟"

حجاج بولا،

"دیکھا خُدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا ہے۔"

اسماءؓ بولیں،

"تو نے ان کی دنیا خراب کی انہوں نے تیری آخرت برباد کر دی۔"

یہ اس عظیم ماں کا دوسرا بچہ تھا، ایک بچہ مصعب عراق میں اسی بہادری سے خلیفہ عبد الملک کے ہاتھوں شہادت کا جام پی چکا تھا۔

اس صلہ میں حجاج، حجاز کا عامل ہو گیا دوسرا وار عبد اللہ بن عمرؓ پر کیا ان کے پاؤں میں ایک عجمی غلام سے زہر میں بجھی ہوئی انی چبھوا دی جس سے وہ جاں بحق ہو گئے ان کا جنازہ اٹھا تو حجاج ایک پہاڑی پر کھڑا مُسکرا رہا تھا حجاز کے شرفاء و صلحاء پورے دو ماہ تک اس کے ہاتھوں مرتے رہے تاآنکہ وہ عراق چلا گیا وہاں کوفہ کی جامع مسجد میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ

"سروں کی فصل پک چکی ہے اور کٹائی کا وقت آگیا ہے میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے۔"

کوفہ خون سے جل تھل ہو گیا ——— پھر سعید بن جبیرؓ مقتل میں لائے گئے ۴۹ سال

کے اس عظیم انسان کو حلق پر چھری پھروا کر ختم کرا دیا۔ سعید نے کہا اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا یہ میری امانت ہے قیامت کے دن تجھے ادا کرنا ہوگی پھر دعا کی خداوندا میرے بعد حجاج کو تسلط نہ دیجیو کہ کسی کو قتل کر سکے۔

امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں جب حجاج نے ابن زبیرؓ کو قتل کیا تب روئے زمین پر ایک شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو ——

ٹھہریئے! حجاج کوفہ کے محل میں سرداروں سمیت بیٹھا ہے ایک لڑکا جس کے بال اس کی کمر تک لٹک رہے ہیں صدا دیتا ہوا نکلا ہے۔

"خدا کی زمین پر کیا اونچے اونچے محل بناتے ہیں یہ مضبوط قلعے اس لیے بناتے ہیں کہ ہمیشہ جیتے رہو گے"۔

حجاج نے لڑکے کو بلوایا خوب اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر اس سے کہا کچھ پڑھو ——

لڑکے نے پڑھنا شروع کیا

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

"اذا جا نصراللہ والفتح ورایت الناس یخرجون من دین اللہ افواجا"۔

"شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں لوگ خدا کے دین سے فوج در فوج نکلے جا رہے ہیں"

حجاج نے کہا، یخرجون نہیں یدخلون کہو۔

لڑکے نے کہا، تیرے عہد حکومت میں لوگ آتے نہیں دین سے نکلتے ہیں۔

لڑکے کی اس بے باکی پر حجاج حیران رہ گیا، پوچھا۔

"امیر المومنین عبدالملک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

لڑکے نے جواب دیا۔

"اس نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ زمین و آسمان میں سما نہیں سکتے"۔

حجاج بولا، وہ کون سے گناہ ہیں۔

لڑکے نے کہا، "اس کا سب سے بڑا گناہ تم ہو کہ انسانوں پر حاکم کئے گئے ہو"۔

حجاج نے کہا، لڑکے تیری سزا قتل ہے لیکن ہم تجھے چار ہزار درہم دیتے ہیں جا اور اپنی ضرورتیں پوری کر —— لڑکا بولا

"خدا تیرا منہ سفید اور تختہ اونچا کرے درہم و دینار کی مجھے حاجت نہیں ہے"

حجاج نے مصاحب سے کہا جانتے ہو کیا کہتا ہے،

"منہ سفید کرے سے اس کی مراد ہے خدا تجھے کوڑھی کرے اور تختہ اونچا کرے سے مطلب ہے خدا تجھے سولی پر لٹکائے"۔

—— زیادہ دن نہ گزرے کہ حجاج موت کے بستر پر لیٹ گیا اس کے معدہ میں زہریلے کیڑے پڑ گئے، بدن سردی سے ٹھٹھرنے لگا، انگیٹھیاں جلائی گئیں، کوئی فائدہ نہ ہوا آخر تک ہائے سردی ہائے سردی پکارتا رہا حتیٰ کہ جان کنی کی ساعتیں قریب آنے لگیں ایک ایک گناہ سامنے آگیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا لیکن موت نے اس کو چن لیا تھا، ناگاہ حسن بصریؒ آ نکلے ان سے دعا کے لیے کہا، فرمایا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیک انسانوں پر ظلم نہ کر"۔

ابو منذر بن مخلد آ گئے انہوں نے سکرات کی سختیوں کا حال پوچھا تو بولا،

سفر دراز ہے توشہ قلیل

ابو منذر بولے،

"تو اس امت کے لیے ایک مصیبت اور بہت بڑا قہر تھا، اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ تیری موت نے اس امت کو راحت بخشی اور تجھے مغلوب کر کے اس کی آرزو پوری کر دی۔"

وہ حجاج جس نے بیت اللہ پر پتھراؤ کیا اور جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر آگ کے گولے پھینکے" تھے ایک ہچکی میں ختم ہو گیا اس کا نام اس لیے نہیں رہ گیا کہ اس میں کوئی خوبی تھی اس کا نام برائی کی یادگار ہے کہ اس نے ہر اُس خوبی کو قتل کیا جو رسالت مآبؐ کی یادگاروں میں رہ گئی تھی۔

گذرگاہ خیال میں پھرتا پھراتا اذان فجر سے گھنٹہ پہلے میں ہوٹل پہنچا اور بستر پر لیٹ گیا نیند آ گئی اذان ہوتے ہی جاگ اٹھا۔

نماز بلاشبہ نیند سے بہتر ہے۔

اورینٹل کالج لاہور کے ایک استاد عبدالصمد صارم نے اپنے سفر نامۂ حج و زیارت میں مکہ والوں کو جلی کٹی سنائی ہیں لکھا ہے کہ

"مکہ کے لوگ سخت مزاج انتہائی بے ایمان، جھوٹے اور دغا باز ہیں یہاں کسی آدمی کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے خواہ معلم ہی کیوں نہ ہو آپ یہ نہ بھولیں کہ یہ قوم وہ ہے جو حاجیوں کو لوٹ لیا کرتی ہے۔ یہ لوگ بڑی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں رشوت کھلے بندوں لی جاتی ہے۔"

مکہ کے لوگ کیا ہیں؟ صارم کا تجزیہ ان سے درشت الفاظ کہلوا گیا ہے۔

بہر کیف عرب کوئی الگ مخلوق نہیں اسی دنیا کے انسان ہیں اور گوشت پوست کے انسان ہیں۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم انہیں فرشتہ سمجھیں اور ان کی سیرتوں میں پرتو نبوت

تلاش کریں وہ سبھی قسم کے انسانوں کا مجموعہ ہیں ان میں ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ کے مزاجدان بھی ہیں مگر کم اور وہ بھی ہیں جن کے بڑے قافلۂ سلام کو ستاتے رہے اور جن کے بزرگوں نے حصین بن نمیر اور حجاج بن یوسف کا ساتھ دیا، یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ آبادیوں کا مزاج صدیوں کی عصبیت بناتی ہے۔ مکہ کے لوگ درشت ہیں تو یہ ان کا تاریخی مزاج ہے۔ انہیں لوگوں نے اپنے سب سے بڑے فرزند آخری نبیؐ کو گیارہ سال تک ٹکنے نہ دیا اور نکال کے دم لیا، ان کے ہاتھوں اگر تکلیف پہنچتی ہے تو جو لوگ مکلف ہیں وہ گویا سنت نبویؐ پر عمل کر رہے ہیں۔ مکہ مختلف ملکوں کے لوگوں کا شہر ہے وہاں اب خالص مکی ہی نہیں رہتے بلکہ جدی پشتی لوگ خال خال رہ گئے ہیں۔ جو لوگ نسلاً بعد نسل رہتے ہیں وہ امراء و شیوخ ہیں ان کے متعلق اس طرح حکم لگانا صریحی زیادتی ہے تمام عرب ملکوں کے علاوہ جن میں شامی اور عراقی بھی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو حصین و حجاج کے ساتھ بیت اللہ پر سنگ باری کرتے رہے پاکستان، ہندوستان، ترکستان اور انڈونیشیا کے افراد بھی مختلف وقتوں میں آکر آباد ہو گئے ہیں بعض دوسری سے ساتویں پشت گزار چکے ہیں۔ وہ اوضاع و اطوار کے لحاظ سے مکی بن گئے ہیں لیکن ان کی خصلت اور سرشت میں اب بھی اپنے ملک کی مٹی لگی ہوئی ہے حرم سے باہر اکثر دوکانیں انہی غیر حجازیوں کی ہیں اب یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی زبان سے جس درشتی کا احساس ہوتا ہے وہ زبان کا مزاج ہے یا لہجہ کی فطرت! بہرحال مکہ والے وہ نہیں جن کی تصویر صارم نے بنائی ہے۔

سہیل نے بتایا کہ اہل مکہ میں شرافت کی عرب خصوصیتیں بہ تمام و کمال موجود ہیں اصل خرابی ان لوگوں کی ہے جو باہر سے آکر آباد ہو گئے اور جن کے حسب و نسب

کی کڑیاں متعین نہیں ہیں۔ الکعکی (جہاں میں ٹھہرا تھا) مکہ کے رئیس اور قدیمی خاندان کا ہوٹل ہے اس خاندان کا نام الکعکی ہے مکہ میں نصف جائیداد ان کی بیان کی جاتی ہے یہ لوگ حسبی شرافت اور نسبی وضعداری کا نمونہ ہیں ہوٹل کے مینجر سے جو ڈھلی ہوئی عمر کا انسان ہے میں نے مکہ کے لوگوں سے متعلق اس عام تاثر کا ذکر کیا تو مسکرایا کہنے لگا کالی بھیڑیں تو ہر جگہ ہوتی ہیں لیکن اہل مکہ کے متعلق یہ پروپیگنڈا عام کیا گیا ہے ایک عرب صحافی نے جو قہوہ پی رہا تھا یہ جان کر کہ میں صحافی ہوں اور پاکستان سے آیا ہوں میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

"ہر انسان جیسے کو تیسا ہے آپ لوگ یہاں صحابہؓ اور ان کے جانشین تلاش کرنے آتے ہیں محمدؐ عربی اور ان کا قافلہ نہیں رہا کہ آپ تذکروں کے انسان تلاش کریں، یہاں کے لوگ ملائکہ میں سے نہیں انسان ہی ہیں اور عناصر اربعہ سے بنے ہیں خدا کا قانون حرمین والوں کے لیے الگ نہیں سب کے لیے یکساں ہے ہماری خرابیاں گوشت پوست کی خرابیاں ہیں ہماری خوبیاں تاریخ و روایت کی خوبیاں ہیں ہمیں جو شرف بخشا گیا ہم اس پر قائم رہتے تو اس حالت میں نہ ہوتے کہ مکہ حجاز میں درشتی کی علامت بن گیا ہے بہر حال ہم اس ملاح کی طرح ضرور ہیں جس کا سبو چہ دریا کے کنارے بھی خشک رہتا ہے اس کا ذمہ دار دریا نہیں ہم خود ہیں ہم نے اپنے ہاتھ خود ہی شل کر دیئے ہیں۔"

مکہ کے لوگ جو بھی ہیں اپنی روایتوں کے پابند ہیں ان کی طبیعت میں کوئی سختی ہے تو ان کا مزاج نہیں ان کی روایت ہے اور یہ روایت صدیوں سے بن چکی ہے مکہ

کے دیہات بھی ہیں ان کی بدویت میں شہری زندگی نے کوئی فرق نہیں ڈالا ان کا سراپا اسی آب و گل میں ڈھلا ہے جو رسولؐ اللہ کے زمانہ سے ان کا خاصا ہو چکا ہے۔ ابو سفیان اور ہندہ کی بیعت کے کلمات سے اندازہ کیجئے کہ ان کا لب و لہجہ کیا تھا! جن کا سلوک رسولؐ اللہ سے یہ رہا ہو ان سے کوئی دوسرا کیا خواہش کر سکتا ہے ان کے منہ میں کوئی دوسری زبان کیونکر رکھی جا سکتی عربی زبان ان تکلفات سے پاک ہے جو ایرانی زبان کا حصہ ہیں اور جن سے اردوئے معلیٰ تیار ہوئی ہے۔ عرب "آداب عرض کرتا ہوں" "کورنش بجا لاتا ہوں"، "تسلیمات عرض ہیں" قسم کے الفاظ استعمال نہیں کرتے اور نہ اپنے حکمرانوں کو جہاں پناہ، گیتی پناہ، خسرو دوراں کہنے کی انہیں عادت ہے وہ ایک اور ایک دو کی طرح ہم کلام ہوتے ہیں فارسی آنکھیں جھکا کر بات کرتی ہے اردو کمر تک جھک کے اور عربی سر و قد ہو کر، غالباً یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ جو فنون لطیفہ سے تیار ہوئے ہیں حرب و ضرب کے ان انسانوں سے کشیدہ خاطر ہو جاتے ہیں کہ وہ درشت ہیں۔ کچھ ہی کہہ لیجئے پذیرائی عربوں کی فطرت ہے ان کا دستر خوان اور زبان دونوں مہمان نواز ہیں وہ ایک ہی سانس میں بلاغت کے انبار لگا دیتے ہیں۔ زبان کے معاملہ میں ایک بدو بھی ویسا ہی مہذب ہے جیسا کوئی اور وہ ہر ملاقاتی سے اسلام علیکم کے بعد پوچھتے ہیں۔

کیف حالکم ———— آپ کیسے ہیں؟

آپ کہیں گے ———— الحمدُ للہ

وہ کہے گا ———— اللہ یحفظلکم ——— یا

اللہ یطول عمرکم ———— (خدا عمر دراز کرے)

آپ نے کہا آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی وہ کہے گا،

اللہ کرمکم (اللہ آپ کو اپنے کرم سے نوازے)

آپ پوچھیں گے بچے کیسے ہیں؟ جواب دے گا.

یقبل ایدیکم ________ (آپ کے ہاتھ چومتے ہیں)

کھانے کے بعد آپ شکریہ ادا کریں وہ کہیں گے،

اللہ یرزقکم (اللہ آپ کو رزق سے نوازے)

پانی پینے کے بعد کہیں گے، ھنیئاً (اس کی مٹھاس آپ کو ملے)

جواب ملے گا، ھنیئاً لکم اللہ (اللہ آپ کو بھی مٹھاس دے)

نماز کے بعد کہیں گے، تقبل اللہ (اللہ قبول کرے)

جواب دیں گے. منی ومنکم (مجھ سے بھی اور آپ سے بھی)

حجام بال کاٹتے تو کہتے ہیں، نعیما (ناز و نعمت میں رہو)

جواب. انعیکم اللہ (اللہ آپ کو بھی نوازے)

اور حیاکم اللہ (اللہ آپ کو زندگی دے) تو ان کا تکیہ کلام ہے۔ عموماً یہی کلمہ بطور تشکر ان کی زبان پر ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں کے بعض خوش معنی الفاظ ان کے ہاں بد معنی ہیں مثلاً ان کے ہاں نیک زانی کو کہتے ہیں۔ بعض الفاظ کے معانی ہمارے ہاں کے معانی سے مختلف ہیں مثلاً

عیش کے معنی ہیں روٹی اب عیش کر رہا ہوں، روٹی کھا رہا ہوں کے معنی میں بولیے تو مزہ ہی اور ہوگا بلکہ پاکیزہ ہو جائے گا۔ ڈبل روٹی کو عیش افرنجی، خمیری روٹی کو خبز،

آٹے کو دقیق، گاڑی کو عربیہ، گاڑی بان کو عربجی، پیسہ کو فلوس، انجیر کو تین، تربوز کو حب حب، بستر کو فراش، دریا کو بحر، کپڑے کو قماش، بڑے رومال کو احرام، مرغی کو دجاجہ، مچھر کو ناموس، عورت کو حریم، لفافہ کو ظرف، کاغذ کو ورق، اور پاسپورٹ کو جواز کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بدقماش تقریباً بدمعاش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن قماش کے عربی مفہوم سے ان لوگوں کے معاشرتی مذاق کی تصویر ابھر آتی ہے جو لباس سے اپنے کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں"۔

_____ کعبۃ اللہ میں چوتھا روز تھا میں نے معمول بنا لیا تھا کہ دن رات کا بیشتر حصہ بیت اللہ میں گزاروں، دن میں ایک آدھ دفعہ صفا و مروہ میں ہو آتا، دیدے پھاڑ پھاڑ کر اس ساری فضا کو تکتا، بار بار عہد عتیق کا تصور باندھتا، ہاجرہ دوڑ رہی ہیں۔ زمزم کے پاس چلا جاتا اور اس ٹھوکر کو تلاش کرتا جو اسماعیلؑ کے پاؤں کی ٹھوکر تھی اور جس سے یہ چشمہ بہہ نکلا تھا۔ زم زم _____ ٹھہر ٹھہر کیا تمکنت اور کیا دبدبہ ہے میرے ذہن میں آرزوئیں مچلی ہوئی تھیں۔ ابراہیمؑ قیامت کے دن مجھے اپنے سایہ میں اٹھانا،

ہاجرہؑ میری بچیوں کو روزِ محشر اپنے ساتھ رکھنا، مجھے یاد ہے کہ مصر کے خاندانی اہرام تیرے متحمل نہیں ہو سکے تھے۔

یا رسول اللہ _____ میں اس گھر میں پھر رہا ہوں جو تو نے دوبارہ بسایا اور جہاں سے تیرے ہم وطنوں نے تجھے نکال دیا تھا۔ پھر تو نے فتح مکہ کے بعد اعلان کیا تھا کہ آج سے انسان کا شرف اس کا خاندان نہیں اللہ کے ہاں اس کا علم اور اس کا تقویٰ ہے کسی انسان کو کسی انسان

پر فضیلت نہیں، عربی و عجمی سب برابر ہیں۔

میرے اللہ! میں نہیں جانتا میرے آقا نے اس گھر میں کہاں کہاں اپنی جبیں تیرے حضور میں جھکائی ہے کہاں کہاں ان کے قدم دھرے گئے اور کہاں کہاں ان کے انفاس نے فضا کو گلاب کیا ہے ——— یا اللہ میں یہاں پھر رہا ہوں، قدم اٹھاتے اور رکھتے ہوئے ڈر رہا ہوں، مجھے اس زمین پر جبین رسالت کے سجدے بولتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، صحابہؓ کے پاؤں کی آہٹ آرہی ہے۔ خدیجۃ الکبریٰؓ سراپا انتظار ہیں کہ اس کا امین مال فروخت کر کے واپس آرہا ہے فاطمہؓ مٹی کا آفتابہ لیے اپنے ابّا کے زخم دھلا رہی ہیں کہ ابو جہل نے گردن پر اوجھ ڈال کے زخمی کر دیا ہے وہ ابّا کے دشمنوں کو بد دعا دیتی ہیں، ابا کہتے ہیں نہیں بیٹی ایسا نہ کہو اللہ کا پیغمبرؐ بد دعا کے لیے نہیں دعا دینے کے لیے ہے۔

میرے آقا اپنی اس بیٹی کے صدقے میری بیٹیوں کو دنیا و آخرت میں سرخرو رکھ، انہیں وہ دولت دے جو صحابیات میں لٹائی تھی، یہ تیری باندیاں ہیں ———

رکن یمانی کو تکتا کہ اسے اللہ کے رسولؐ کی نگاہیں تک چکیں اور ان کے ہاتھ چھو چکے ہیں حجر اسود کو چومتا ——— بار بار چومتا، کتنا خوش قسمت ہے یہ پتھر کہ محمدؐ کے ہونٹ اس کو چومتے رہے اور صحابہؓ نے ان کے بوسے کو بوسے دیئے ہیں میں بار بار چومتا، پورے دائرے کو بوسے دیتا اس دائرے میں شاید یہی وہ جگہ ہو جس پر حضورؐ نے ہونٹ رکھے تھے اپنا سر اور ٹوپی اس پر پھراتا، پورے چہرے کو اس سے ملتا،

کوئی ذرّہ تو ہوگا جس کو حضورؐ نے چوما ہو اور ان کے لبوں کی عظمت میرے لبوں تک آئی ہو یہ سب فیض انہی کا ہے میں کیا اور میری بساط کیا؟ آج تک وہ انسان پیدا نہیں ہوا جس نے میری زبان کے کسی کلمہ کو خریدنے کی جسارت کی ہو، یہ سب اس دُرِّ یتیم کا صدقہ کا فیض ہے جس نے اونٹوں کے چرانے والوں کی تقدیریں پلٹ دی تھیں اُس شخص کے ہونٹوں پر فالج گرنا چاہیئے جو حجر اسود (بوسہ گاہ پیغمبرؐ) کو چومنے کے بعد اُن پر بکاؤ الفاظ لانے کا حوصلہ کرتا ہے۔

۸ر نومبر کی شام کو الخبر (ظہران) سے ملک عباس حسین مکہ پہنچ گئے ان کے ایک دوست ضیاء الدین شیخ ایڈووکیٹ کراچی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ملک صاحب سے اب تک کوئی ذاتی ملاقات نہ تھی اور نہ کبھی آپس میں کہیں ملے تھے۔ نفضل حق نے تعارف کرایا میں شکر گزار تھا کہ غائبانہ تعلق خاطر کا حق اس فیاضی سے ادا کیا ہے کہ میرے لیے اس کا تصور مشکل تھا اس قسم کی دستگیری تو وہ دوست بھی شاذ ہی کرتے جن کے ساتھ تعلق خاطر کی عمریں بیت چکی ہوتی ہیں۔

زر مبادلہ کا حصول سہل نہیں، غلط خرید و فروخت میرے نزدیک قومی شرف کی اہانت ہے بعض لوگ یہی کرتے ہیں ٹریولنگ ایجنسی والوں نے مشورہ دیا کہ عمرہ کے نام پر اسٹیٹ بنک سے پی فارم ملنا مشکل ہے کوئی وجہ پیدا کر دو، لوگ عموماً اپنے کسی فرضی یا حقیقی عزیز کی تیمار داری کا بہانہ کر کے جاتے ہیں میں نے دوٹوک انکار کیا کہ اللہ کے گھر میں حاضری کے لیے جھوٹ بولنا اور عمرہ کی نیت کو داغدار کرنا میرے

لیے ممکن نہیں حکومت نہ مانے یہ منظور! لیکن اللہ و رسولؐ کے ہاں جاتے ہوئے جھوٹ بولوں، ناممکن!

اُوپر سے منظوری آگئی لیکن زرمبادلہ رہ گیا اسٹیٹ بنک والے عذرخواہ تھے عبدالکریم ثمر پہلے دوست تھے جنہوں نے مجھے دس ریال کا ایک نوٹ دیا کہ حج سے واپسی پر یہ ان کے سامان سے بچ رہا تھا چار ریال میاں منظر بشیر کی والدہ نے عنایت کئے دس ڈیش مارک (جرمنی سکہ) اور ایک ریال خواجہ عبدالرحیم بارایٹ لاء سے مل گئے وہ انہی دنوں لندن سے واپسی پر عمرہ کر کے آئے تھے۔ جس روز مجھے کراچی جانا تھا اس دن صبح سویرے راولپنڈی سے ایک مخلص دوست نے اطلاع دی کہ اسٹیٹ بنک چلے جاؤ اور وہاں سے زرمبادلہ پچاس پونڈ لے لو۔ خدا خود میر سامان تھا اس دوست کی مہربانی سے پچاس پونڈ مل گئے کراچی پہنچ کر مولانا احتشام الحق تھانوی ایک سو ریال دے گئے اس کے علاوہ ایک اور نوازش بھی کی جس کا بوجھ اٹھانا میرے بس میں نہیں وہ امانت جوں کی توں پڑی ہے —— مولانا کی محبت کا شکریہ۔

جدہ پہنچا تو فضل حق نے کہا اور یہ لکھ چکا ہوں کہ ملک عباس حسین نے الخبر (ظہران) سے آپ کے لیے پندرہ سو ریال بھجوائے ہیں ایک اور دوست نے کہا کہ انگلستان سے رازی نے سو پونڈ اور نیو یارک سے شاہد رضا نے دو سو ڈالر بھجوائے ہیں ——

یہ سب انعامات ایزدی تھے کہاں وہ کہ ہفتہ پہلے دو ریال نہ تھے اور اسٹیٹ بنک پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہ تھا۔ کہاں یہ کہ میری ضرورتوں سے زیادہ میرے پاس آگیا۔ ابھی سے کہہ دوں کہ لوٹتے وقت رازی کے پونڈ اور رضا کے ڈالر انہیں واپس بھجوا دیئے بلکہ نیشنل بنک سے وصول ہی نہیں کئے۔

ملک عباس حسین کی میزبانی نے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ان سے مل کر معلوم ہوا کہ سیالکوٹ کے رہنے والے اور اپنے ہی قبیلہ نکر سے ہیں۔ حافظ محمد صادق اور شیخ محمد حسین نے انہیں خط لکھا اور وہ میزبان ہو گئے تجربہ ہو گیا کہ وہ ایک سچے مسلمان اور فیاض انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا کرم کیا ہے۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے علاوہ اپنے دوستوں کے لیے قرن اوّل کے مسلمان کی سخاوتوں کا نمونہ ہیں۔ قدرت نے انہیں اپنی فیاضیوں سے نوازا ہے! اور وہ قدرت کے اس احسان کو اپنے دوستوں میں تقسیم کرتے ہیں —— سرشت صافی، دل آئینہ، طبیعت مخیر، سینہ شفاف، ہاتھ کے سخی اور سیر چشم! ان کے دوست ضیا شیخ بھی باغ و بہار نکلے، گفتگو کے دھنی سندھ کی سیاست کے انسائیکلو پیڈیا، دونوں الکلی میں ٹھہرے، گئی رات تک ان سے ملک کے ہر موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ ملک صاحب کی واحد ہابی HOBBY —— تعلیم ہے۔ الخبر میں انہوں نے پاکستان کمیونٹی اسکول قائم کر رکھا ہے یہ کوئی تجارتی سکول نہیں، بلکہ ان کے ذوق و ایثار کا مظہر ہے اس کی بنیاد مارچ ۱۹۶۶ء میں رکھی گئی پہلے صرف بچوں کا اسکول تھا۔ نومبر ۱۹۶۹ء میں سعودی حکومت سے اجازت لے کر طلبہ و طالبات کی دو علیحدہ علیحدہ شفٹیں قائم کی گئیں شروع میں ۲ استانیاں اور ۳ اُستاد تھے —— سب پاکستانی ہیں اور معیاری تنخواہ پاتے ہیں اُردو انگریزی اور عربی تینوں زبانیں پڑھائی جاتی ہیں لاہور ایجوکیشن بورڈ سے اس کا الحاق ہے ملک صاحب نے اصرار کیا کہ ان کے ساتھ چند دنوں الخبر چلوں وہاں اسکول دیکھوں، لیکن میرے پاس کل پندرہ دن تھے اور اب صرف (۹) باقی رہ گئے تھے میں زیادہ سے زیادہ حرمین میں رہنا چاہتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ دن تو حرمین کے صدقہ میں

ملے ہیں اور انہی کے ہیں اگلے آٹھ دن حرم نبوی میں گذارنا چاہتا ہوں زندگی ہے تو پھر سہی۔

اگلے روز ہم ایک قافلہ کی شکل میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے لیے روانہ ہو گئے تین گاڑیاں تھیں اور ہم ایک دوسرے کے تعاقب میں اُڑے جارہے تھے جہاں تک شاہراہوں کا تعلق ہے سعودی حکومت نے اتنی کشادہ، پختہ اور بے عیب سڑکیں بنوائی ہیں کہ جی خوش ہو جاتا ہے اپنے ہاں کا پی ڈبلیو ڈی ان کے ہاں نہیں ہر چیز خالص بنتی ہے، قہر سلطانی کا خوف اس قسم کی تعمیرات میں ساتھ رہتا ہے۔

یہ سڑکیں پہاڑوں اور پگڈنڈیوں کے جگر چیر کر اس خوبی سے بنائی گئی ہیں کہ موٹران کے حسن پر لٹو ہو کے چلتے ہیں۔ اس ایک خیال ہی سے طبیعت متفرح اور بشاشں ہوتی ہے کہ رسول اللہ اور ان کے صحابہؓ انہی راستوں سے انہی شاہراہوں پر اپنی منزلوں کو گئے تھے وہ اونٹ رہے نہ حدی خواں، ناقہ رہی نہ جرس، محمل رہی نہ کجاوے، چودہ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

اس سڑک سے ذرا ہٹ کے نہر زبیدہ مکہ کو جاتی ہے ڈھکی ہوئی نہر ہے چوڑائی بھی کچھ زیادہ نہیں، کئی صدیوں سے جوں کی توں چلی جارہی ہے۔ کوئی روک یا رخنہ نہیں۔ ایک دفعہ کسی مقام پر کوئی خلل پیدا ہوا تو امریکی اور اطالوی انجینئروں سے رجوع کیا گیا انہوں نے نہر کو انجینئرنگ کا شاہکار قرار دیتے ہوئے عذر کیا کہ اس خرابی پر قابو پانا ان کے بس سے باہر ہے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے ستر لاکھ اشرفیوں کے صرفہ

سے اس کو بنوایا تھا ____

زبیدہ دجلہ کے کنارے بیٹھی موجوں کا لطف اٹھا رہی تھی کہ انجینئروں نے حاضر ہو کر اخراجات کا گوشوارہ پیش کیا۔ زبیدہ نے غرق دجلہ کر دیا اور کہا:

ترکنا الحساب لیوم الحساب

(ہم نے حساب یوم الحساب کی خاطر چھوڑا)

مزید کہا جس شخص کے پاس ہمارا کچھ رہ گیا ہو ہم نے اس کو معاف کیا اور جس کسی کا حق ہمارے اُوپر ہے وہ آئے اور لے جائے پھر سب کو خلعت اور انعام دے کر رخصت کیا۔

منیٰ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے لفظی ترجمہ ہے ____ میلہ یا قربانی وآزمائش کی جگہ، یہ پورا علاقہ حرم کے حدود میں ہے اس کی حد وادیٔ محسر سے جمرۂ عقبیٰ تک ہے اس کا طول دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان تقریباً دو میل ہے حضورؐ کی بعثت سے ۵۵ دن پہلے یہیں اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا حضورؐ نے عرفات میں حجتہ الوداع کا خطبہ دیا مزدلفہ میں رات گزاری صبح سویرے وہاں سے روانہ ہو کر یہاں تشریف لائے ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع ہمراہ تھا، آپ ناقہ پر سوار تھے ناقہ کی مہار بلالؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اسامہؓ بن زید ____ کپڑا تان کے سایہ کئے ہوئے تھے۔

منیٰ میں تینوں جمرے ہیں، جمرہ عقبیٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ اولیٰ۔ حج کے دنوں میں یہاں تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے جارہے تھے، تو

شیطان نے آپ کو انہی تین جگہ بہکانا چاہا حضرت ابراہیمؑ نے شیطان کو دھتکار دیا اور سات کنکریاں ماریں۔

ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود سنت ابراہیمی کا وہ طرز اور ولولہ ہر مسلمان کے دل میں زندہ ہے۔ ہر سال حج کے موقع پر لاکھوں بندگان خدا سنت ابراہیمی کو ادا کرتے اور اللہ کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ منیٰ میں کوئی مستقل آبادی نہیں، بڑے بڑے مکان کھڑے ہیں، دکانیں ہیں، سرکاری دفاتر ہیں صرف حج کے پانچ دنوں میں یہاں رونق رہتی اور سال بھر کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ ہم عرفات کی طرف جا رہے تھے تو منیٰ کی یہ بلند عمارتیں بند پڑی تھیں، دن دہاڑے ایک سناٹا تھا ایام حج میں منیٰ کا وسیع میدان مختلف قطعات میں بٹا ہوتا اور ان میں چھولداریاں اس طرح لگی ہوتی ہیں جیسے گلزار کھلا ہو، جہاں تک نظر جاتی انسانوں کا لالہ زار دکھائی پڑتا اور ایک بیکراں ولولہ چاروں طرف انگڑائی لیتا معلوم ہوتا ہے۔ وہ منحر جہاں حجاج قربانی کرتے حضرت اسماعیل کی یادگار ہے۔ باپ نے بیٹے کو یہیں اللہ کی رضا پر قربان کرنا چاہا تھا اور حضورؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر یہاں سو اونٹ ذبح کئے تھے یہاں اور مسجدوں کے علاوہ ایک بڑی مسجد خیف ہے جہاں حضورؐ نے نماز پڑھی تھی اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا؛

"مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس لیے برباد ہوئیں۔"

منیٰ سے آگے مزدلفہ ہے، مزدلفہ عرفات اور منیٰ کے درمیان دو پہاڑیوں میں گھری ہوئی مستطیل شکل کی ایک وادی ہے۔ مشعر الحرام یہیں ہے قرآن حکیم میں اس کا ذکر آیا ہے یہاں ۹ ذی الحج کو مغرب و عشا کی نمازیں ملا کر پڑھتے اور رات بسر کرتے ہیں۔

اس سے آگے مکہ معظمہ سے پچیس میل دور عرفات کا میدان ہے شمال میں جبل رحمت ہے یہاں پہنچ کر ایک ایسا تصور بہجت و انبساط اپنی پنہائیوں کے ساتھ دل و دماغ کو محصور کرتا ہے کہ خیال کا راہوار صدیوں پیچھے لوٹ جاتا ہے عرفات کے چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں جیسے کسی قالین پر حاشیہ ہو اتنا وسیع و عریض میدان اس خصوصیت کے ساتھ کسی دنیوی خطہ میں نہیں، عجب بابرکت میدان ہے کسی بڑے سے بڑے شاعر کا تخیل بھی اتنا وسیع نہ ہوگا، جتنی وسعت اس میدان میں ہے، اتنی دلکشی اتنی کشش اور اتنا سحر ہے کہ عقل سپر انداز ہو جاتی، عشق ابھر آتا اور یقین ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی زمین ہے کتنی صدیوں سے ایک ہی میدان ہے جہاں کروڑوں کیا اربوں انسانوں نے اس سارے عرصہ میں وقوف کیا ہے۔ وقوف حج کا لازمی رکن ہے بلکہ اسی وقوف کا نام حج ہے ——— پورا میدان صحیفہ فطرت ہے اُسوہ خلیل اللہ کا حکایت سرا عشق کی جولان گاہ، عشاق کی سجدہ گاہ، ایک تاریخی دستاویز، مسودہ توحید، مخطوطہ رسالت، اس کی فضا میں کتنے ہی کلمہ ہائے اقدس معلق ہیں اس کے سینہ میں کس قدر دل دھڑکتے ہیں اس کی ہواؤں میں حجۃ الوداع کی خوشبو رچ بس گئی ہے ہر ذرہ گوہر ناسفتہ اور درشاہوار ہے۔

محمد عربی کی صدا گونج رہی ہے کل کائنات گوش بر آواز ہے، حمزہؓ کی مسجد کے پڑوس میں ایک کمل کا خیمہ ہے اس خیمہ میں حضورؐ فروکش ہیں پھر دوپہر ڈھل گئی تو قصواء نام کی ناقہ پر سوار ہو کر نکلے فرما رہے ہیں:

"آج جاہلیت کے تمام دستور میرے ——— دونوں پاؤں کے نیچے ہیں، تمہارا رب ایک ہے اور لاشریک ہے آج سے عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی

پر سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں، اِلّا بالتقویٰ ! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، تمہارے غلام! تمہارے غلام جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو ان کو پہناؤ۔ جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون باطل کرتا ہوں جاہلیت کے تمام سود بھی معاف کر دیئے گئے میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس کا سود معاف کرتا ہوں عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ خدا نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا زنا کار کے لیے پتھر ہے اور اس کا حساب خدا کے ذمہ ہیں۔"

———— فرمایا۔

لوگو تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا کیا جواب دو گے، مجمع پکارتا ہے۔

ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔

اسی وقت کلام الٰہی کی آخری آیت اُتری۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

(آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا ہے اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے

لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا"۔)

یہ اعلان جس کجاوہ میں بیٹھ کر کیا گیا طبقات ابن سعد میں ہے کہ وہ ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

خطبہ پڑھ چکے تو بلالؓ کو حکم دیا اذان کہو، ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے وہاں دیر تک کھڑے ہو کر قبلہ رو دعا کی، آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری فرمائی صحابہؓ مسرور تھے کہ دین مکمل ہو گیا، ان کے نورانی چہرے گلاب تھے لیکن قافلہ چلنے لگا تو اس میں صدیق اکبرؓ نہ تھے۔ عمرؓ نے کہا ابوبکرؓ کہاں ہیں انہیں ایک درخت کے پاس تنہا کھڑا پایا دیکھا۔ صدیق اکبرؓ آبدیدہ ہیں عمرؓ نے کہا ابوبکرؓ کیا ہوا؟ صدیق اکبرؓ نے کہا جو چیز تمہارے لیے خوشی کی ہے میرے لیے جدائی کی ہے۔ جب دین مکمل ہو گیا تو مقصد بعثت بھی پورا ہو گیا، اب رفاقت الٰہی مطلوب ہے حضرت عمرؓ اس اشکبار انسان کو جو محمدؐ کی شخصیت میں جذب ہو گیا تھا اپنے ساتھ لے آئے دونوں رسول اللہؐ کی ناقہ کے ساتھ قدم ملائے چلے جا رہے ہیں۔

میری عمر اور ہمت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن جذب و عشق دونوں ہم آہنگ رہے جبل رحمت پر چڑھ کر دو رکعت نماز پڑھی دس پندرہ آدمیوں کی جگہ ہوگی، خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس جگہ کو آنکھوں میں سمیٹتے اور سجدوں سے پیشانیاں اُجالتے ہیں۔ کہ

عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

کیا لوگ تھے جو یہاں رسول اللہؐ کے ساتھ اکٹھے ہوئے تھے جنہیں رسول اللہؐ نے

خطاب کیا اور جو ایک ساتھ کہہ رہے تھے اے خیر البشرؐ! ہم نے تجھ سے خدا کا پیغام پا لیا ہے، بے شک دین مکمل ہو گیا اور تو خدا کی آخری حجت ہے۔

میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!! حال یہ تھا کہ نماز میں سجدہ سے سر اٹھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، اپنی خطاؤں پر شرمسار تھا ماتھا کو رگڑ رگڑ کے دعائیں مانگ رہا تھا کہ رب محمدؐ مجھے یہاں آنے کی توفیق دی ہے تو میرے گناہوں کو معاف کر، مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

فضل حق نے کہا حضورؐ یہاں کھڑے ہوئے تھے اس پتھر سے چمٹ گیا اس طرح چمٹا جس طرح شیر خوار بچہ ماں کے دودھ سے چمٹتا ہے، چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا شوق و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ اس پتھر سے اپنے گالوں کو مل رہا تھا اس طرح لپٹ رہا تھا جس طرح شب وصال، حسن و عشق ملتے ہیں کیا خبر حضورؐ نے کہاں قدم رکھا ہو، کہاں نگاہ ڈالی ہو، کہاں ان کی آواز کا حسن ٹھہرا ہو، کہاں ان کے تبسم نے ضیا بخشی ہو، کہاں آرام فرمایا ہو ہائے وہ لوگ کہاں چلے گئے وہ میراث کہاں کھو گئی وہ خزانہ کہاں لٹ گیا وہ کارواں کہاں بچھڑ گیا اس کے علاوہ قیامت اور کیا ہو گی کہ ——— ع

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اور انہیں ہرگز نہیں پاتیں

علم یہاں ٹھہرتا ہی نہیں یہ عشق کی نگری ہے عرفات جویانِ راہ کے لیے نہیں دانایانِ راہ کے لیے ہے یہ خبر کی نہیں نظر کی بستی ہے یہ عفت قلب و نگاہ کا مامن ہے یہ مسیح کی دار اور کلیم کا سینا ہے یہ نور و سرور کی گزرگاہ اور آرزو و خلش آرزو کی منزل گاہ ہے۔ یہاں زمانے کی رو مخرام ہو کر نکلتی اور گردش زمانہ اذن لے کر چلتی ہے یہ

کلیم و خلیل کے رازہائے سربستہ کی فاش، گوئی ہے یہ نیاز و ناز اور سوز و گداز کا پڑاؤ ہے اس کی ہواؤں اور نواؤں میں نبوت کے سانس ہیں یہ بیشہ تحقیق نہیں بلکہ بیشہ عشق ہے یہاں سپہ کی تیغ رانی اور نگاہ کی تیغ بازی کو متاع خسروی عطا ہوتی ہے یہاں علم کو شریعت اور عشق کو معرفت ملتی ہے، یہ نقطۂ وصل ہے، حضرت آدم اور حضرت حوا کی ملاقات یہیں ہوئی تھی، جبرئیل امین نے یہیں حضرت ابراہیمؑ کو مناسک حج سکھائے تھے۔

ہم بہت دیر تک جبل رحمت پر بیٹھے رہے عشق یہاں آداب خود آگاہی سکھاتا اور عقل سر نہیوڑائے الٹے پاؤں چلتی جاتی ہے عقل اس میدان کی چیز نہیں یہ عشق کا میدان ہے یہاں وہی لوگ موتی چن سکتے ہیں جن کے شیشے صاف ہوں اور کشکول غیور وہ لوگ یہاں کچھ نہیں پا سکتے جن کے دلوں پر قدرت نے مہریں لگا دی ہیں جو حسن کو منطق میں تولتے اور عشق کو عقل سے ماپتے ہیں۔

شفق نے رات میں گھلنا شروع کیا تو ہم واپس ہوئے ــ جانے کیا چیز تھی کہ جدائی گراں ہوئی آنسو تھمتے ہی نہیں تھے ——— ؎

وہ آغاز ہجراں وہ رخصت کا عالم
وہ مل کے بچھڑنا بلا ہو گیا

جب تک موٹر عرفات کے میدان سے گزرتی رہی میں قیس آبلہ پا کی طرح تھا کہ وادیٔ لیلیٰ چھوٹ رہی تھی عرفات مزدلفہ اور منیٰ سے لوٹ کر ——— کعبۃ اللہ میں نماز پڑھی۔ اس کی جگمگاتی ہوئی فضا میں بھی عرفات یاد آتا رہا، عرفات کیا ہے! یہی کہ خدا کے آخری نبیؐ نے وہاں انسان کو اس کے بنیادی حقوق دیئے تھے کوئی سی

حکومت کوئی سا عہد کوئی سی ریاست کوئی سا ہادی اور کوئی سا رہنما انسان کو وہ منشور نہیں دے سکا جو حجۃ الوداع کے اس خطبہ میں انسانی حقوق کا حرف آخر ہے، جب تک سورج اس اُفق پر چمکتا رہے گا یہ خطبہ انسان کے بنیادی حقوق کی ایسی دستاویز رہے گا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی دستاویز نہیں ہے۔

"کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے"

۹ نومبر کی سہ پہر کو مکہ میں مقیم پاکستانی دوستوں نے ایک عصرانہ دیا، یہ عصرانہ الککی ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں تھا اس قسم کے عصرانے ہمارے ہاں شاذ ہی ہوتے ہیں عربوں کی فیاضی اور سیر چشمی کا پورا پورا اہتمام تھا پاکستانی اور ہندوستانی دوستوں کے علاوہ کئی ایک عرب اور دو ایک ترک بھی تقریب میں شریک تھے خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاکستانی دوست حجاز میں رہ کر عربوں کی خصوصیتوں اور خوبیوں سے بہرہ مند ہو گئے اور ان کے عام چلن میں حجازیوں کی روائتی دل فریبی پیدا ہو گئی ہے۔

ملک عباس حسین نے میرے متعلق تعارفی تقریر میں جو کچھ کہا محض ذرہ نوازی تھی یہ ان کا حسن اخلاق تھا کہ اس ہیچ مداں کے متعلق وہ نہایت خوب صورت الفاظ استعمال کر رہے تھے ورنہ من آنم کہ من دانم بہر حال یہ سب سرور کائنات ؐ کی غلامی کا صلہ تھا۔

میں نے جواب میں جو کچھ کہا وہ قطعاً سیاسی نہیں تھا البتہ بعض سیاسی استفسارات کے جواب اس حد تک عرض کئے جس حد تک ملک کی آبرو مقتضی تھی رباط کانفرنس کے متعلق بعض احباب بالخصوص عرب دوست سوال کرتے رہے اور میں ٹالتا رہا۔

یہ سوالات اپنے ہاں کی خبروں سے مختلف اور بالکل نئے تھے، میرا خیال ہے ملکی حکومتیں بعض غیر ملکی معاملات میں خبریں مہیا کرتے وقت اُن میں کئی طرز کے پیوند لگا دیتی ہیں ہمارے ملک کی سیاست عرب ملکوں سے خاص طور پر ایسی رہی ہے یا ان کا رویہ ہمارے متعلق ایسا ہے کہ عوام کاملاً اور خواص جزواً اس سے واقف نہیں اور جو باتیں ان کے علم میں ہیں ان کی سچائی بھی داغدار ہے ان باتوں سے آگاہ ہونے کے بعد میں نے رباط کانفرنس کو اس کے نام کی رعایت سے ٹال دیا۔ رباط کے معنی ہیں مسافر خانہ میں میں نے کہا آپ جانتے ہیں کہ مسافر خانہ میں ہمیشہ مسافر اکٹھے ہوتے ہیں وہ آتے ٹھہرتے اور چلے جاتے ہیں آپس میں رازدان یا راز دار نہیں ہوتے اور نہ ان میں راز بانٹے جاتے ہیں ———— ان کی ملاقاتوں یا صحبتوں میں عموماً ظواہر کی رونق ہوتی ہے۔

کچھ دوستوں نے پاکستان کے متعلق اثباتی سوالات کئے مثلاً

سوال: پاکستان کی عمومی حالت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر قسم کے حالات پر قابو پانے کی توفیق بخشی ہے۔

سوال: کیا ایوب خاں کا جانا ناگزیر ہو گیا تھا؟

جواب: کشتی بھر جاتی ہے تو ڈوب جاتی ہے۔

سوال: پاکستان میں سوشلزم آنے کا امکان ہے؟

جواب: آپ کے ذہنوں میں یہ سوال کیونکر پیدا ہوا؟

سوال: اس لیے کہ عرب ملکوں میں سوشلزم کی گھناؤنی تصویریں دیکھ کر ہم خوفزدہ ہو چکے ہیں۔

جواب: بعض عناصر سوشلزم لانے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں بعض گھٹا کی طرح تلے کھڑے ہیں لیکن پاکستان میں پاکستان رہا تو سوشلزم نہیں آئے گا۔

پھر ملک صاحب کے خیر مقدم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

"یہاں آکر قومی سیاست کے اخلاقی پہلوؤں اور سیاسی کش مکش کا ذکر کرنا مناسب نہیں، آپ یہاں مہمان ہیں مہمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میزبان کے گھر بار کا جائزہ لے اور اس پر تبصرہ کرے آپ یہاں پاکستان کے نمائندے اور اسلام کے شہری ہیں اور دونوں کی عزت کے امین! اسلام کے اس سب سے بڑے مرکز میں کہ چار کوٹ کے مسلمان اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، حرمین شریفین سے بڑھ کر کوئی جگہ نہیں کرۂ ارضی کی ہر چیز پر انہیں اولیت حاصل ہے ہم یہاں عربوں کے لیے نہیں بیت اللہ اور حرم نبویؐ کے لیے آتے ہیں آپ کو یہی کشش یہاں کھینچ کے لائی اور اسی فخر نے یہاں آباد کیا ہے ہر فرد جو پاکستان سے ہے اپنے ملک کا سفیر ہے آپ کا فرض ہے کہ حرمین شریفین کے احترام و عظمت کو اپنی ذات میں جاری و ساری کر لیں یہ گھر سلامت ہے تو ہم سلامت ہیں یہ ابراہیمؑ و محمدؐ کے گھر ہیں ان کے صدقہ میں اپنے گھر کی سلامتی کے لیے دعائیں کریں اس کی عزت کے لیے ضرورت پڑنے پہ جان لٹا دیں جو اس گھر کے لیے مرے گا وہ حشر کے دن شہدائے بدر اور شہدائے اُحد کی سیادت میں اُٹھے گا۔"

تقریب ختم ہوئی تو ایک ترک نے جو مقامی میونسپلٹی میں انجینئر ہے اس تپاک سے

بھینچ لیا کہ محبت اس کے روئیں روئیں سے پھوٹی پڑتی تھی۔ وہ سراپا آغوش ہو گیا۔

ترکوں کو جہاں تہاں دیکھا مسلمانوں سے متعلق ان کا جذبہ بڑا صادق اور اسلام کے لیے ان کا دل بڑا معمور ہے ——— وہ کہہ رہا تھا،

"خدا تمہاری عمر دراز کرے جب تک ایمان و عشق باقی ہیں اسلام نہیں مٹ سکتا افراد مٹ جاتے ہیں قومیں نہیں مٹا کرتیں۔"

ایک نوجوان عرب نے تقریر کے بعض کلمات کو سراہتے ہوئے کہا خطابت اب عربوں ہی کا زیور نہیں رہی ہر جگہ کے مسلمانوں کی مقدس میراث ہو گئی ہے آپ نے جو کچھ کہا اس میں عربوں کا خطیبانہ شکوہ جو کبھی ان میں تھا بولتا چالتا محسوس ہوا جزاکم اللہ احسن الجزا،

عربوں میں وہ پہلی سی قوت نہیں رہی ان کے پرانے چشمے خشک ہو چکے ہیں، دولت کی بہتات نے انہیں ایک ایسی قوم بنا دیا ہے جو ماضی پہ فخر کرتی حال کے عیش پر لٹو لیکن مستقبل کے خطرات سے غافل ہے ان کے سب سے بڑے خطرہ کا نام اسرائیل ہے یہ خطرہ انہی کے لیے جان لیوا نہیں خود اسلام کے لیے مہلک ہے افسوس کہ عربوں میں احساس زیاں تک نہیں وہ بابر بہ عیش کوش کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں منافق پیدا ہو گئے ہیں حجاز کو اتنا خطرہ اسرائیل سے نہیں جتنا سوشلسٹ عرب ریاستوں سے ہے، جن سوشلسٹ عرب ریاستوں کی پشت پناہی روس کر رہا ہے وہ اسرائیل سے پہلے حجاز و مراکش، اردن و کویت، تیونس و موریطانیہ MAURITANIA میں سوشلزم لانا چاہتی ہیں۔ روس کا اسلحہ اسرائیل کے خلاف کب استعمال ہو گا؟ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں لیکن ان ریاستوں کے خلاف اس کا اسلحہ اور

خدع دونوں استعمال ہو رہے ہیں فی الجملہ روس کا اسلحہ اسرائیل سے جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان ملکوں میں اشتراکیت لانے کے لیے ہے۔ جمال عبدالناصر کی زندگی میں حجاز و یمن کے درمیان جو معرکے ہوتے رہے ان میں یمن نے جو اسلحہ استعمال کیا وہ روس کا تھا۔

عربوں کی لیڈرشپ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ اشتراکی ہیں یا ان کے اتحادی اصل مصیبت یہ ہے کہ عربوں کا معنوی وجود یورپ کی مداخلت سے پہلے مضمحل ہو چکا تھا وہ ترکوں کی خلافت کے زمانہ ہی میں ڈھے گئے تھے لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ کہیں کے نہیں رہے ـ

ترکاں جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر!
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

اشتراکیت اور بادشاہت دونوں عربوں کے دشمن ہیں بادشاہت انہیں اسلام سے باغی کر رہی اور اشتراکیت انہیں الحاد پر لا رہی ہے امرائے عرب نے ان سے رزق چھین رکھا ہے نئی قیادت ان سے رازق چھین رہی ہے ان کی ہو بہو تصویر کئی رنگوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وہ اس وقت کئی مخاصمتوں اور کئی نظریوں کا شکار ہیں ان کے اپنے اندر اس انداز کی بہت سی تحریکیں پیدا ہو چکی ہیں جو انہیں سلام سے انکار کی طرف لے گئی ہیں۔ ہر قوم نئی نسل پر زندہ رہتی ہے عربوں کی نئی نسل سلام سے ہاتھ اٹھا چکی ہے اور جو سلام کے ساتھ ہے وہ سہل انگار ہے جن کی عمریں جوانی کے حدود پھاند چکی ہیں وہ راضی برضا ہو کے بیٹھے ہیں وہ قیامت کی نشانیوں کا انتظار کر رہے اور اس ذہن کے ہیں کہ تقدیر الٰہی سے لڑنا غلط ہے ان کے حافظہ میں اس قسم

کی "پیشگوئیاں موجود ہیں جو انہیں حرکت و عمل سے محروم کر چکی ہیں وہ کہتے ہیں کوئی حدیث ہے کہ یہود ایک دفعہ مدینہ تک آ جائیں گے، دجال پیدا ہوگا اس کے بعد اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی ان کا خیال ہے کہ وہ ان پیش گوئیوں کو کیونکر ٹال سکتے ہیں؟ جن نوجوانوں کے دل میں ابھی تک اسلام ہے وہ موروثی مسلمان ہیں لیکن ان کی قوت مزاحمت کمزور پڑ چکی ہیں اس زمانہ کے سب سے بڑے فتنے کا نام صحافت ہے عربوں کی صحافت کا اسلامی عنصر کمزور ہے ادب و تعلیم ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو اشتراکی عیسائی ہیں جہد و سیاست کی عنان بھی ذہناً انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان اشتراکی عیسائیوں کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے عرب قومیت کا جادو جگا کر عربوں کو اسلام پر نہیں رہنے دیا۔ وہ یا تو عرب نیشنلزم کی بات کرتے ہیں یا مارکس لینن اور ماؤزے تنگ کی اُن کے شعر و انشا کا مزاج اشتراکیت کی نہج پر ہے اور ان کی سیاسی زبان پر سوشلزم کی اصطلاحیں چڑھی ہوئی ہیں۔ زمانہ ہو چکا ہے ان کے ہاں کوئی بڑا مسلمان پیدا نہیں ہوا حکماً و زعماً ایک طرف رہے انہیں کوئی ایسا بادشاہ یا حکمران بھی نہیں ملا جس پر ساری کائنات کی ملت سلامیہ کو فخر ہو، نفس کو دھوکا دینا دوسری بات ہے عصبیت یا عقیدہ بڑی نعمت سہی لیکن اسرائیل نے عالمی طاقتوں کی ملی بھگت سے جو صورت حال بنا دی ہے اس کے پیش نظر کوئی خبر بد کسی وقت آ سکتی ہے اشتراکی اور استعماری طبعاً سلام دشمن ہیں لیکن جن لوگوں نے سلام کی تلواریں اٹھا کر تاج خسروی پہن رکھا ہے وہ اپنی ذات سے ضرور مخلص ہیں لیکن سلام سے ان کا اخلاص محل نظر ہے۔ چند لاکھ یہودیوں نے کئی کروڑ عربوں کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ یہ بادشاہ اپنی ذات کو سلام سمجھتے اور اپنی حکومت کو ریاست، اسلام و ریاست دونوں

کھو بیٹھیں گے خود قربان نہیں ہوں گے کل کیا ہوگا! یہ سفرنامہ سیاسی جائزہ نہیں، کہ حالات و واقعات کا تجزیہ کروں یا حکم لگاؤں لیکن دو چار چیزیں ایسی ہیں کہ اس مرحلہ میں ان پر غور کیا جاسکتا ہے فی زمانناث اید یہی بہتر علاج ہو، پالیٹکس ایسی چیز ہے کہ اس میں کوئی سی شے حتمی نہیں لیکن حالات کو رو بہ اصلاح لانے اور خطرات کو ٹالنے کے لیے میرے دماغ میں بعض تجویزیں اور تجزیے ہیں ——— مثلاً

(۱) حرمین شریفین کے متعلق عرب حکومتوں میں (امکان کم ہے بلکہ اندریں حالات ناممکن) باہمی معاہدہ ہو کہ وہ ان کی مشترکہ طور پر محافظ ہیں لیکن جہاں تک حجاز پر حکمرانی کا تعلق ہے وہ جن کی ہے انہی کی ہو معاہدہ صرف ایک مشترکہ ذمہ داری کا اعلان و اقرار ہو اس غرض سے اگر دفاع کا مشترکہ ہیڈ کوارٹر بھی قائم کر دیا جائے تو بہتر ہے جیسے معاہدۂ استنبول کے دفاتر اور سیٹو اور سینٹو کے مراکز ہیں پھر تمام دنیائے اسلام کی حکومتوں کے درمیان معاہدہ ہو کہ وہ حرمین شریفین کی عقیدۃً مدافع ہیں ان پر کوئی داخلی یا خارجی حملہ برداشت نہیں کیا جائے گا اس معاہدہ کی نقلیں تمام عالمی مملکتوں اور مجلس اقوام متحدہ کو بھجوادی جائیں۔

(۲) سوشلسٹ عرب ملکوں کی اشتراکی مزاج لیڈرشپ حجاز کی موجودہ حکومت کو بہمہ وجوہ الٹ دینا چاہتی ہے، جرم یہ ہے کہ حجاز اسلام کا مرکز ہے حرمین شریفین یہاں ہیں اس کے علاوہ حجاز کے پاس تیل کی دولت اور سونے کی کانیں ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمان اقوام کی ذہنی پسپائی کے لیے اشتراکیوں اور استعماریوں نے حجاز پر قبضہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے اشتراکیوں کے آلہ کار بعض ڈاکٹر اور انجینئر ہیں۔ ان کی معرفی پاکستانی طالب علم طارق علی کرتے ہیں۔ جو انگلستان میں پال سارتر کے ذہنی

شاگرد ہیں۔

استعماریوں کے خدمت گذار قادیانی ہیں جو افریقہ و ایشیا کے مسلمان ملکوں میں اب امریکی سامراج کے گماشتہ ہیں لیکن ان کے روابط برطانیہ سے بھی ہیں اور بیشتر جگہ وہ ان کے لیے پُراسرار کارنامے انجام دیتے ہیں۔

تل ابیب میں قادیانی مشن قائم ہے اس مشن کے متعلق کبھی یہ معلوم نہیں کیا گیا کہ جب پاکستان کے اسرائیل سے روابط نہیں ——— اور کسی عرب ملک نے وہاں اپنا سفارت خانہ قائم نہیں کیا تو وہ کون سی خصوصیت ہے جو اسرائیل میں قادیانی مشن کے قیام کا باعث ہے۔ کیا اس مشن کا مقصد مسلمانوں کو مرزائی بنانا ہے یا یہودیوں کو مسلمان بنانے کے لیے اسرائیل نے اجازت دی ہے آخر اس مشن کو یہ مراعات کیوں دی گئی ہیں اگر عربوں کو مرزائی بنانا مقصود ہے تو یہ ایک ایسا سنگین فعل ہے جس کی تلخی پوری عرب دنیا محسوس کر رہی ہے اور اگر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے قائم کیا ہے تو ہم یہ غایت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قادیانی مشن مسلمانوں کے لباس میں عربوں کے خلاف سراغرسانی کا ادارہ ہے جو استعماری طاقتوں سے روپیہ لے کر ان کے پالیٹکس کی بنیادیں فراہم کرتا ہے[1]

(۳) عراق، شام، عدن، یمن، لیبیا، سوڈان، الجیریا، مصر، صومالیہ اور گنی سوشلسٹوں کے قبضہ میں ہیں۔ ناالف حواتمہ ——— لبنان کا اشتراکی عیسائی ——— جو شرق اردن کے فدائیوں میں

---

[1] مدینہ یونیورسٹی کے فاضل علامہ احسان الٰہی ظہیر نے عربی زبان میں قادیانی امت کے ہر نوعی خط و خال پر ایک فاضلانہ کتاب لکھی ہے جس سے عربوں پر اس فرقۂ استعمار کی حقیقت کا انکشاف ہوا ہے

گھس بیٹھ کر ان کے عنصر کا لیڈر ہے کئی دفعہ لکھ چکا ہے کہ حرمین شریفین

(ا) (نعوذ باللہ) مذہبی خرافات کا مرکز ہیں۔

(ب) عرب قومیت کے خلاف زبردست حصار ہیں جب تک انہیں ختم نہ کیا جائے گا اسرائیل کا مٹانا مشکل ہے۔

(ج) مشرقِ وسطیٰ میں مغربی استعمار کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہیں۔

(۴) اسرائیل میں کیتھولک عیسائیوں کو اپنا مشن قائم کرنے کی اجازت نہیں لیکن ایران کے بہائی اور پاکستان کے میرزائی تل ابیب میں مشن قائم کیے بیٹھے ہیں ایک مدت سے میرزائیوں کی کوشش ہے کہ وہ افریقہ میں اپنی ریاست قائم کریں نائجر، ساحل العاج اور لائبیریا میں ان کے سیاسی اثرات مضبوط ہیں مغربی استعمار اسی لیے انہیں وہاں پروان چڑھا رہا ہے کہ وہ مغربی افریقہ میں اُس ملت اسلامیہ کو بڑھنے اور پھیلنے سے روک سکیں جو محمدؐ عربی کی حلقہ بگوش ہو اور عربوں کی ملت کا جزو بن رہی ہو وہ افریقہ کی مسلمان ریاستوں میں ایک ایسی مسلمان ریاست قائم کریں جو استعمار کے تابع ہو ظاہراً مسلمان باطناً استعماری بالفاظ دیگر افریقہ کی مسلمان مملکتوں کے درمیان استعمار کا ہچو تستم اسرائیل جس کی ملی اساس محمدؐ عربی کے بجائے میرزا غلام احمد پر ہو۔ عربوں کو ہم سے کہیں زیادہ اندازہ ہے کہ میرزائی کس ملک میں کیا کر رہے ہیں اور کن یا کس کی شہ پر کر رہے ہیں! ایک عرب صحافی نے مجھ سے شکوہ کیا کہ استعماری طاقت کے ان کل پرزوں کو آپ لوگوں نے مسلمان ہونے کی سند دے کر یہاں بھجوایا ہے ہم جانتے ہیں کہ ان کے مشن کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ عرب ملکوں میں ان کی سرگرمیاں سامراج کے ففتھ کالم کی ہیں اس وقت ظفراللہ خاں، عبدالسلام (سائنٹسٹ) اور ایم ایم احمد جو رول ادا کر رہے ہیں ہم سے مخفی

نہیں خود پاکستان کو اس کے حرکات و اعمال پر منظر رکھنی چاہیئے یہ لوگ کسی وقت بھی اسرائیل قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اسلام کی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہوگا۔ استعماری طاقتوں نے میرزائی اُمت پیدا کر کے اسلام کے گھر میں ایک ایسی آگ لگا رکھی ہے کہ احساس و مشاہدہ کے اس مرحلہ میں اس کا نوٹس نہ لیا گیا تو ہم اسلام سے غداری کے ایک ایسے فتنہ کا شکار ہو جائیں گے کہ نتائج و آثار کے تصوّر ہی سے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی اور دل لرز اٹھتا ہے۔

جو لوگ حقائق کے اس جائزے پر رواداری کا سبق دیتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ اصولوں اور عقیدوں کی قربانی دینے کا نام رواداری نہیں، یہ رواداری بالکل ایسی ہے جیسا کہ چور مکان میں نقب لگا رہا ہو اور صاحب مکان سے کہا جائے کہ آنکھیں میچ لو چور کو پکڑا تو یہ اس کی آزادی میں مداخلت ہو گی یا اس کو للکارا تو اس کی دل آزاری کا باعث ہو گا۔

حرم میں نمازوں کا سُرور ہی کچھ اور ہے بعض کیفیتیں بیان کی جا سکتی ہیں لیکن کچھ کیفیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ الفاظ و معانی کا سرمایہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور وہ کیفیتیں بیان نہیں ہو سکتی ہیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بیت اللہ کے طواف میں جو مزہ آتا ہے نطق کی تمام ادائیں بھی اس کو محصور نہیں کر سکتی ہیں انسان دو ہیں ایک وہ جو دیکھتا اور بولتا ہے، ایک وہ جو دیکھتا اور سوچتا ہے لیکن ایک تیسرا انسان بھی ہے جو کعبۃ اللہ میں آ کر کھو جاتا ہے اس سحر و سرور میں فصاحت و بلاغت بے بس ہو جاتی ہیں یہ وہ سرحد ہے جہاں الفاظ و معانی اپنا سفر ختم کر دیتے ہیں اس سے آگے کی زبان ابھی آوازوں میں نہیں ڈھلی ہے لیکن محسوس ہوتا

ہے کہ بیت اللہ ہم کلام ہو رہا اور طواف میں اللہ کے فرشتے ہم رکاب ہیں۔ دن کے چوبیس گھنٹوں میں تقریباً اٹھارہ یا بیس گھنٹے کعبۃ اللہ میں گزرتے رہے، طبیعت تھی کہ سیر ہوتی فجر کی اذان سے بہت پہلے اٹھ کر بیت اللہ چلا جاتا پھر دن میں کئی کئی مرتبہ حاضر ہوتا رات کا بیشتر حصہ وہیں گزارتا، بار بار طواف کرتا، سنگ اسود کو بوسہ دیتا، ملتزم سے لپٹ کے روتا، احساس کی دولت سمیٹتا، بیسیوں دفعہ آب زمزم پیتا، اپنے تئیں بھگو لیتا سبحان اللہ زمزم ہے کہ طلب گاروں کو چوبیس گھنٹے سیراب کر رہا ہے کوئی ساعت خالی نہیں لوگ پلاسٹک کے ڈبے، مٹی کے گھڑے، تانبے کے ڈول بھر بھر کے لیے جاتے ہیں، بیت اللہ میں مخروطی صراحیاں پڑی رہتی ہیں لوگ پیتے اور جی بھر کے پیتے ہیں۔ شاید دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں اتنی عبادت نہیں آئی جتنی عبادت کہ مسلمانوں پر فرض کی گئی مسلمانوں کی ہر سانس ایک عبادت ہے ان کی زندگی بسم اللہ سے شروع ہو کر انا للہ پر ختم ہوتی ہے مہد سے لحد تک خدا ہی خدا ہے وہ ہر حال میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔

---

۱۰ نومبر کی صبح کو ہم مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے موٹر حدود حرم سے نکلتے ہی شپاشپ ہو گیا سعودی حکومت نے چاروں طرف سڑکوں کا جال بچھا رکھا ہے ہمارے ہاں کا پی ڈبلیو ڈی نہیں کہ سڑکیں دوہرا تہرا نفع اور کمیشن رکھ کر بنائی جاتی ہیں یہاں ہر سڑک لوہے کی طرح بچھی ہوئی ہے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کے لیے براہ راست سڑک نکالی گئی جس سے جدہ کا پرانا راستہ کٹ گیا ہے سڑک بے حد کشادہ، خوب صورت اور مضبوط ہے ڈرائیور اسی نوے میل سے کم گاڑی نہیں چلاتے۔

دونوں طرف وہی پہاڑی سلسلہ ہے کہیں پہاڑی چوٹیاں بہت اونچی ہیں، کہیں چھوٹی، یہ سڑک بیچوں بیچ خیال کی طرح چلی جا رہی ہے مکہ سے کوئی ڈھائی سو میل کا فاصلہ ہے آخر تک سڑک یکساں انداز میں منزل کی طرف بڑھتی گئی ہے کہیں کہیں اس میں موڑ آتا تو قوس کی طرح مڑتی ہے لیکن موٹر کی رفتار میں کمی نہیں ہوتی ڈرائیور موڑ لیے چلا جاتا ہے۔

ان دنوں آمد و رفت کوئی زیادہ نہیں تھی کچھ موٹر آ رہے کچھ جا رہے تھے دن میں بے شمار موٹر آتے اور بے شمار جاتے ہیں ———— ملک عباس حسین، ضیا جی شیخ اور فضل حق قریشی گرد و پیش کے متعلق بتاتے جا رہے تھے کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں راہ میں آتے ہیں لیکن سڑک سے ہٹ کر! پیدل مسافر تو ملتے ہی نہیں جدہ سے لے کر مکہ تک کوئی اونٹ یا ناقہ نظر نہ آئی اب مدینہ جاتے ہوئے بھی یہی حال تھا ———— وہ ساربان تاریخ کی نذر ہو گئے جو ناقہ سے کہتے تھے آہستہ چل یہ گزرگاہ محبوب ہے اور ہم منزلِ محبوب کی طرف جا رہے ہیں۔ راستہ میں ایک جگہ وادیٔ عسفان میں اونٹوں کی ایک قطار نظر پڑی کسی اونٹ پر کوئی محمل نہ تھا اور نہ کوئی حدی خوان ہی تھا ایک بدو مہار تھامے آگے آگے جا رہا تھا لیکن وہ قافلہ آرائی جس کا تذکرہ عرب شعراء کے ہاں ملتا ہے اس قافلہ میں نہ تھی یہ کوئی کارواں نہیں بس اونٹوں کا ایک ریوڑ تھا جو سامان لینے یا سامان لیے چلا جا رہا تھا، رمضان شروع ہو چکا تھا شارع کے چائے خانے جو آبادیوں کے نکڑ پہ واقع ہوتے ہیں یکسر بند پڑے تھے، ہُو کا عالم آدم نہ آدم زاد ہماری طرح نہیں کہ رمضان شریف میں قہوہ خانے ہوٹل اور ریستوران گھونگھٹ اوڑھ لیتے اور مسافت کی آڑ لے کر کھلا رہتے ہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا موٹر تیز رفتار تھا یا خیال میں اپنے تصوّر میں گم سم ہو چکا تھا کبھی فضل حق یا عباس ملک کچھ کہنے کے لیے مخاطب کرتے تو محویت ٹوٹ جاتی ورنہ تصور ہم رکاب تھا اور میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس زمانہ میں جا رہا تھا جس زمانہ میں کائنات کا آخری نبیؐ اس راستہ سے گزرا تھا پھر اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے مکہ جاتے اور مکہ آتے ہوئے نور و ظہور سے ان راستوں کو جگمگایا تھا غار ثور سے نکل کر حضورؐ نے

انہی راستوں کو مسافت و ہجرت کا شرف بخشا تھا ان چٹانوں میں جانے وہ کون سی چٹان ہے جہاں حضورؐ نے تھوڑی دیر استراحت فرمائی اور ابوبکرؓ نے ایک چرواہے سے بکری کا تھن دودھ کر پلایا تھا شام سے واپسی پر حضرت زبیرؓ یہیں کہیں حضورؐ اور ابوبکرؓ سے ملے اور بیش قیمت کپڑے نذر کئے تھے، وہ منزلیں جو ابن سعد نے طبقات میں گنائی ہیں ان کا نام رہ گیا ہے نشان نہیں رہے۔ لازماً اسی راستہ میں ہوں گی ہر قدم انہی کا نقش قدم ہے یہ دھرتی اسی لیے تو ہیرے کی کنی محسوس ہوتی اور چاروں طرف یاقوت کا فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔

جو چیز پریشان کر رہی تھی وہ اپنی کم مائیگی کا شدید احساس تھا سوچتا تھا کہ میرے پاس وہ زادِ راہ ہی نہیں جو اس گھر میں حاضر ہونے کے لیے ضروری ہے وہ لوگ جو یہاں چلے آتے ہیں ان کے پاس کچھ ہوگا میرے پاس کچھ نہ تھا ایک چنگاری تھی جو سلگ کر شوق بن گئی تھی جسارت کہہ لیجئے اور میں اس جسارت کے بل پہ جا رہا تھا کاش میں ان ذرّوں میں ہوتا جو حضورؐ کے قدموں کو بوسہ دے رہے اور حضورؐ ان سے گزر رہے تھے، وہ راہگذر ہوتا جس کو پائے مبارک چھو رہے تھے، ناقہ ہوتا اس کی مہار ہوتا جرس ہوتا، وہ پتّھر ہوتا جو حضورؐ کو جاتے آتے دیکھتے رہے وہ لمحہ ہوتا جو اس عظیم مسافر کو درپیش تھا سورج کی ان کرنوں میں کوئی کرن ہوتا جو اس سفر میں ان کے پاؤں پہ آنکھیں بچھاتی رہی ہیں اور یہ تھا میرے سوچ کا محور ————

ملک عباس نے کہا وہ سامنے ہے وادیٔ بدر اور موٹر دو منٹ بعد ایک بڑے چائے خانہ کے سامنے رک گیا اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا تالہ کے بغیر سب کچھ بند پڑا تھا ایک سناٹا، مٹیاں تھیں اور مخروطی لوٹے، وضو کیا نفل پڑھے شہدائے بدر

کی قبروں پر گئے وہی عالم اور حالت جو حجاز میں قبروں کی ہے ، نشان نہ کتبہ ، قبریں بھی کیا مٹی کی ڈھیریاں ہیں ۔ سورہ انفال کی ۷۵ آیتیں فضا کا احاطہ کئے ہوئے ہیں کہ یہاں وہ سورہے ہیں جو ان آیتوں کے بین السطور میں ہیں جو کل تین سو تیرہ تھے اور جن میں یہاں سونے والے چودہ ہیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے جنہیں شہادت نے سربلند کیا اور جن کی مدد کو اللہ نے فرشتے بھیجے تھے یہ وہ جنگ ہے جس کے احوال کا ذخیرہ کلام اللہ میں محفوظ ہو گیا ہے یہی وہ جنگ ہے جس میں مسلمانوں کی بے سروسامانی پر حضورؐ نے اپنے اللہ سے کہا تھا

اے اللہ ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر ۔

پھر سجدہ میں گر گر کے عرش الٰہی سے ہمکلام ہوئے تھے

" خدایا ! اگر یہ چند لوگ آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا ۔"

اللہ نے کہا

" فوجِ قریش ، کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے " (قمر ۳)

وہی ہوا جو اللہ کے رسولؐ نے چاہا اور اللہ نے پورا کیا ۔

اس ویرانہ میں اب بھی حضرت سعد بن عبادہؓ کی آواز گونج رہی ہے ، خدا کی قسم آپ فرمادیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں ۔

حضرت مقدادؓ اعلان کر رہے ہیں ،

" ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم آپ کے دائیں سے ، بائیں سے ، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے ۔"

تین سو تیرہ نے جن میں صرف دو گھڑ سوار تھے قریش کی ایک ہزار فوج کو جس میں ایک سو سوار تھے تین تیرہ کر دیا قریش کے نامور روساء میں ننانوے فی صد لقمۂ اجل ہو گئے ابوجہل ، معوذؓ اور معاذؓ دو نوعمر بھائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا ۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر کاٹ کے حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا ۔ عتبہ جو روسائے مکہ میں پہلے نمبر پر قریش کے لشکر کا سالار تھا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا ۔ یہ سب کچھ اس جنگ ہی کی فتوحات تھیں اور وہ شہدا جنہیں حضورؐ نے خود دفنایا تھا ان کی قبریں آج " وارثان سنت " کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہیں تاریخ کے وہ عظیم الشان آثار محو ہوتے جارہے ہیں جنہیں عتبہ و ابوجہل نہ مٹا سکے انہیں ہم اپنے ہاتھوں محو کر رہے ہیں ۔

میں ضعیف الاعتقاد نہیں اور نہ ان لوگوں میں ہوں جو اللہ والوں کی قبریں معابد بنا لیتے اور ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں بے شک اللہ کے رسولؐ نے جانکنی کی ساعتوں میں اپنی امت کے لیے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس امت کو اس گمراہی سے بچانا جو پچھلی امتوں کا شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے اپنے ہادیوں کی قبروں کو معابد بنا لیا تھا لیکن میرے سامنے شہداء بدر کے معابد نہیں تھے ۔ خود شہدائے بدر تھے کیا سارا اسلام ان قبروں سے بے اعتنائی میں رہ گیا ہے !

میں جھنجھلا گیا ، یہ قرآن و سنت نہیں یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یادگاریں مٹائی جائیں اور اپنی یادگاریں کھڑی کی جائیں کیا عرب اس اہانت اور اس بغاوت کی سزا نہیں پارہے ؟ عربوں کو شرف انسانی کن سے حاصل ہوا ان کی بدولت !

آج یہی منبعے مٹائے جارہے ہیں ۔ سورہ انفال کے جھبط سے یہ سلوک عشق و ایثار کی توہین ہے کیا قرآن و سنت کے داعی جو احادیث پر زندگی بسر کرتے ہیں بھول گئے ہیں کہ

رسول اللہؐ نے جبرئیلِ امین سے کہا تھا کہ اہل بدر سب مسلمانوں میں افضل ہیں اس پر جبرئیل امین نے کہا تھا جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے ان کا بھی ملائکہ میں یہی درجہ ہے۔

(صحیح بخاری)

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا تو فرمایا کہ اب تم جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں۔

وہ سامنے اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس رہے ہیں حضرت حباب بن منذر حضورؐ سے عرض کر رہے ہیں ہم فلاں چشمہ پر قبضہ کر لیں اور آس پاس کے کنوئیں کو بیکار کر دیں بادل جھوم کے اٹھے ہیں برکھا ہو رہی ہے اور وقت کے بہترین ہاتھ پانی اکٹھا کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی حوضیاں بنا رہے ہیں۔ ابو جہل شرارت پر تُلا کھڑا ہے حضورؐ پتھر کے ایک سائبان تلے فروکش ہیں، سعد بن معاذؓ دروازہ پر تیغ بکف پہرہ دے رہے ہیں مہاجرین کا علم مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں ہے خزرج کے علمبردار حباب بن منذرؓ ہیں۔ اوس کا پرچم سعد بن معاذؓ نے اٹھا رکھا ہے حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں عتبہ ڈھیر ہو گیا اور حضرت علیؓ نے ولید کو پچھاڑ ڈالا ہے عتبہ کے بھائی شعیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا علیؓ نے شعیبہ کو ہلاک کر ڈالا اور عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے عبیدہ پوچھتے ہیں۔

آقا! میں دولت شہادت سے محروم رہا؟

فرماتے ہیں

نہیں تم نے شہادت پائی۔

وہ اُدھر حضرت زبیرؓ نے برچھی سے ابو کرش کا صفایا کر دیا رسول اللہؐ نے وہ برچھی لے لی

چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی پھر عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔ آخر اس برچھی میں کیا خصوصیت تھی؟ کیا اس کیلئے قرآن میں حکم آیا تھا؟ لیکن یادگار تھی منتقل ہوتی گئی، آخر ان بادشاہوں نے جو اُمیہ کے خاندان میں سے تھے۔ اور یادگاروں کی طرح اُسے بھی گم کر دیا

بدر کے اسی میدان میں حضورؐ اپنے اللہ کے سامنے سربسجدہ ہیں ——————

پکار رہے ہیں، اے رب قدیر و علیم یہ مٹھی بھر لوگ مٹ گئے تو پھر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ وہ دیکھئے دو بچے معوذؓ و معاذ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے پوچھتے ہیں ابو جہل کہاں ہے! وہ بتاتے ہیں اور یہ دونوں جھپٹ کر اُسے خاک و خون میں تڑپا دیتے ہیں معاذؓ کا ابو جہل کے بیٹے کی تلوار سے بایاں بازو لٹک جاتا ہے۔ معاذؓ پاؤں کے نیچے دبا کر شانہ سے الگ کر دیتے ہیں۔

عباس، عقیل، نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعتہ سب سرداران قریش پکڑے جا رہے ہیں اسیران جنگ پر فدیہ عاید کیا جا رہا ہے حضورؐ کے داماد ابو العاص بھی قیدیوں میں ہیں۔ ان پر بھی چار ہزار درہم کی تعزیر عاید ہے مکّہ سے حضورؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا ہے جو ان کی امّی خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا حضورؐ نے ہار دیکھا تو ۲۵ برس پہلے کی رفاقت یاد آ گئی، رو پڑے صحابہؓ سے فرمایا تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔

—————— سب نے بیک زبان کہا،

ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ مجاز ہیں۔

اور حضورؐ نے وہ ہار بیوی کی یادگار، بیٹی کا سنگھار واپس کر دیا اور جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے اُن سے اُمی لقب کہہ رہے ہیں، دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دو، جامع القرآن

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔

سلام ہو اے بدر تجھ پر سلام ہو۔
تیرے ہی غزوہ کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔
تجھے بدر بن یخلد نے بسایا یا بدر بن حارث نے۔
تو بیر (کنواں) کی وجہ سے مشہور ہوا یا کسی اور وجہ سے؟
لیکن تیرا اصل شرف تیرا لازوال مقام، وحی الٰہی نے متعین کیا ہے۔
رسول اللہ نے تجھے عزت بخشی ہے۔
۳۱۳ انسانوں نے تجھے دوام بخشا اور تو پائندہ ہوگیا۔
تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان شہادت کی جلوہ گاہ ہے۔

سلام ہو تجھ پر اے بدر، سلام ہو۔
آنسوؤں کا ہدیہ لے انہیں افتخار بخش۔
لولوئے لالا بنا، گوہر تابدار کر۔
یہ ان شہداء کے قطرہ ہائے خون کی یاد میں بہہ رہے ہیں جن کی معاونت کو ملائکہ آئے تھے۔
جو فنا ہو کر بھی زندہ ہیں۔
یہ ان شہدا کی قبریں ہیں،
جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔
ان قبروں میں سونے والو،

سلام ہو تم پر
تمہاری ہی صف میں وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہے جس کے پیٹ پر رسول اکرمؐ نے چھڑی لگا کر

کہا تھا ———— برابر ہو جاؤ،
اور جس نے کہا تھا یا رسول اللہ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوئی ہے۔
حضورؐ نے فرمایا تھا:
بدلہ چاہتے ہو۔
اس نے کہا عدل وانصاف کے داعی سے یہی توقع ہے۔
حضورؐ نے کرتہ اٹھایا اس نے آگے بڑھ کر جسم مبارک چوم لیا۔
حضورؐ نے پوچھا یہ کیا؟
کہنے لگا دنیا میں آخری گھڑیاں ہیں اور آخری سانس
———— جی چاہا اس شرف سے مشرف ہو جاؤں۔

جوں جوں مدینہ کے آثار قریب ہوتے گئے دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں یہاں تک کہ اندر دگرگوں ہوگیا عقل نے کہا اس سے آگے جانا میرے لیے مشکل ہے یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے عشق نے کہا ———— یہاں سے دل کی باوشاہت شروع ہوتی ہے جانتے ہو ابھی تھوڑی سی دیر میں کہاں پہنچو گے، جہاں سے آرہے ہو وہ اللہ کا گھر تھا وہاں بندے کا ناز اپنے خالق سے ہے، یہ اللہ کے محبوبؐ کا گھر ہے یہاں وجدان کی ناقہ پر عرفان کا محمل سجالو آہستہ چلنا یہ ادب والوں کا قبلہ ہے اور صرف باادب حاضر ہو سکتے ہیں۔ امام مالکؒ کی سن لو فرماتے ہیں "میں اس شخص کو سو دُرّے لگاؤں گا جس نے کبھی مدینہ کے موسم کی شکایت کی یا کسی چیز میں مین میخ نکالی جہاں

وجہِ نمودِ کائنات کی آرام گاہ ہو وہاں کے موسم میں خلل و خرابی ممکن ہی نہیں۔"

—— اپنی بے سروسامانی پر غور کرو اس قابل تھے کہ یہاں چلے آئے ہو؟ یہ حوصلہ! یہ جسارت! کہاں سے آئے ہو؟ آئے ہو یا بلائے گئے ہو؟ ختم المرسلینؐ کے دربار میں جارہے، درباروں میں بے مایہ لوگ نہیں جایا کرتے! مجرم و خاطی شہنشاہوں سے منہ چھپاتے ہیں تم نے بڑا حوصلہ کیا گنہگار ہو کر چلے آئے ہو پکڑے جاؤ گے۔

شفیع المذنبینؐ کی چوکھٹ پر جارہے ہو جاؤ لیکن ذرا رک جاؤ وہ ٹکڑا جہاں حضورؐ آرام فرما رہے ہیں بالاتفاق تمام کائنات سے افضل و برتر ہے ساری کائنات مل کر بھی اس ٹکڑے کے برابر نہیں، تم کیا ہو؟ تمام کائنات کے روسیاہوں میں سرِفہرست! کہاں اس گھر کی عالم پناہی اور کہاں ذرّہ حقیر کی روسیاہی! کہاں رسالت مآبؐ کا آستانۂ قدس، کہاں ننگِ خلائق کی جبین حقیر! کہاں عرش پہ جانے والا احسن و اکمل کہاں فرش پہ رہنے والوں میں ارذل و اسفل ـــ

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

حضورؐ کے سامنے حاضر ہونا سہل نہیں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین ہی تھے جو ان کے روبرو حاضر ہوتے اور گفتارِ نبوّت کے موتی چنتے تھے صحابہؓ کا دل و جگر کہاں ہے کہ حاضر ہورہے وہاں جارہے ہو جس کے چپہ چپہ پہ محمدؐ و احمدؐ کے حسن خرام کے پھول کھلے ہیں جہاں وقت کے بہترین انسان چلتے پھرتے تھے دل نے کہا کچھ پلّے ہے یہ سوچ کر لرز گیا کہ سوائے حسرت تعمیر کچھ بھی نہیں عشق نے کہا، چل رک نہیں، کیوں رکتا ہے رحمتہ اللعالمینؐ کے آستانے پہ جانے والے اسی طرح

جاتے اور جھولیاں بھر کے لاتے ہیں چشموں، دریاؤں اور کنوؤں نے کبھی کسی جام، کاسہ یا مشکیزہ کی خواہش نہیں کی، سورج نے کبھی چراغوں سے روشنی نہیں چاہی، تیری رات اندھیری ہے تو اس سورج سے روشنی لے جو آمنہ کی گود میں طلوع ہوا تھا چودہ سو برس سے چمک رہا ہے جس کے لیے کوئی غروب نہیں یہی مدینۃ النبیؐ ہے یہی آستانۂ رسولؐ ہے، سلام پڑھو، درود بھیجو، یہ شہر درود و سلام کا شہر ہے ـــــ ع

آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

سیارہ (موٹر) رقص کی طرح پہلو بدلتی ہوئی سڑک پر کروٹیں لیتا ہوا مدینۃ النبیؐ میں داخل ہو گیا ـــــ

جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اُٹھنا یاد ہے
پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو ہوش ہے

مدینۃ النبی

خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں

——— الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ

گنبدِ خضریٰ روبرو تھا ——— گستاخ اکھیں کتھے جا اُڑیاں، جہاں کبھی ایوبؓ انصاریؓ کا مکان تھا اور رسولؐ اللہ کا ناقہ میزبانی کا شرف بخشنے کے لیے بیٹھ گیا تھا وہاں جنت البقیع کو جاتی ہوئی سڑک پر سیارہ رک گیا، باب عمرؓ باب عبدالمجید اور باب عثمان کی سڑک پر قصرالجاز ہوٹل ہے وہاں ہم دو کمرے لے کر ٹھہر گئے ——— کوئی دس منٹ میں نہا دھو کر کپڑے بدلے بالکونی سے جھانکا تو نگاہیں گنبدِ خضریٰ سے ہم آغوش ہوگئیں اس وقت کبوتروں کی ٹکڑی نے ہالہ باندھ رکھا تھا آرام گاہِ نبوت میں کورنش بجالا رہے اور مجرئی عرض کر رہے تھے ———

مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا کیا واقعی مدینۃ النبیؐ میں ہوں؟ یا خواب دیکھ رہا ہوں، مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہوگیا۔

سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ

تو کائنات کے فخر و ناز کی پونجی ہے

تیری بنیادیں صبح قیامت تک قائم و دائم ہیں

تو نے وہ شرف حاصل کیا جو کرۂ ارضی کے کسی خطے کو حاصل نہیں

اور نہ حشر تک کوئی خطہ اس سعادت سے مشرف ہوگا

تیرے آغوش میں ایک ایسا انسانؐ سو رہا ہے جو اپنے مولد سے ہجرت
کر کے یہاں آیا تو نے اس کو پناہ دی اس کی میزبانی کی

پھر وہ تیرا ہی ہو گیا

تیری مٹی کو اس نے اپنے وجود سے زندہ جاوید کر دیا

تیرا نام اسی کا ہو گیا یہاں تک بالا کیا اور دوام بخشا کہ صدیوں
سے انسانوں کے قافلے صبح و شام تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں

تیری فضاؤں میں قرن ہا قرن سے درود و سلام کے موتی بکھر
رہے ہیں

تیرے ہاں حاضر ہونا دنیا کی عظیم سعادتوں میں سے ایک سعادت ہے
سب سے بڑی سعادت

آج قریب چودہ سو برس ہوتے ہیں تیری کوئی
ساعت کوئی ثانیہ کبھی درود و سلام سے خالی نہیں رہا

تیری گلیاں ہم ایسوں کے لیے مصری کی ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں

تیرے ذرّے مہر و ماہ کو شرماتے اور دل و نگاہ کو چمکاتے ہیں

تیری ہواؤں میں انفاس رسالتؐ کی خوشبوئیں بسی ہوتی ہیں۔

تو کتنا حلیم و کریم ہے کہ ہم ایسوں کو بھی حاضری کی سعادت بخشتا ہے تیری عزت بے پایاں اور تیری عظمت بے کراں ہے تو وہ دریائے کرم ہے کہ ہر ذی روح تیرے یہاں آ کر اپنی پیاس بجھاتا ہے تو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے ۔

اے کرۂ ارضی کے سرتاج ! اے سرتاج الانبیاءؐ کی آرام گاہ ایک انسان کی بدولت کروڑوں انسانوں کو زندگی بخشنے والے اے کلام اللہ کے ۸۶۴۳۰ کلمات اور تین لاکھ ۲۳ ہزار سات سو ساٹھ حروف میں سے مدنی آیتوں کی جائے نزول اے اس آخری نبیؐ کے مدفن مبارک جس کی ذات اقدس پر ۲۲ سال ۵ ماہ کے عرصہ میں ۶۶۶۶ آیتیں نازل ہوئیں ، اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر اے عظیم انسانوں کے مامن اے زبان و بیان کی روح رواں اے سپہ سالاروں کے دل کی دھڑکن اے انشاء پردازوں کے علو فکر اے شاعروں کے تخیّل کی معراج اے خطیبوں کے ولولہ خطابت کی آبرو اے عالموں کے افکار کی آرزو اے دانشوروں کے علم و حکمت کی جستجو اے اہل اللہ کے آستانۂ آخر اے عابدوں کی جبین کے ناز اے زاہدوں کی محبت کے محور ! اے جود و سخا کے مخزن اے جمال و دولت کے مسکن اے گنہگاروں کی بخشش گاہ اے بلدۂ رسالت پناہ اے مرکز دل و نگاہ اے انس و ملک کی بوسہ گاہ اے خطا کاروں کے خطا پوش اے ہر عہد کے فضلاء کی منزل اے عاشقان صادق کے محمل ——— ——— ایک ہیچ مداں اور بے سر و سامان کا سلام قبول کر ۔

اے مدینۃ النبیؐ تو مرکز انوار الٰہی ہے تو نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہو گیا اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر سلام و درود کے تحفے لاتے ہیں تو نے سلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے

تو نے ادب کو درخشاں کیا تو نے قلم کو توانائی، زبان کو رعنائی بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور تو ہمارا ہے تیری صبحوں میں صحابہؓ کا سوز دروں اور انصار و مہاجرین کا جوشِ جنوں ہے تو شب زندہ داروں کی بلا واسطہ حکایت کا گوہر مکنوں ہے۔ تو عرش سے نازک تر ہے تیرے آغوش میں نصف اسلام سو رہا ہے تیری مٹی پاتال تک مقدس ہے تو سب سے بڑی تاریخ ہے تیرے شمال میں احد ہے جس نے بہ قول ابو الحسن علی ندوی لغت کو شجاعت کے لیے بے شمار الفاظ دیئے ہیں ——— وہ پہاڑ جو قیامت کے روز جنت میں اٹھایا جائے گا۔ تیرے مشرق میں جنت البقیع ہے جہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ابد الآباد تک زندہ ہیں جن کے لیے موت نہیں۔ جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لیے بھاگ گئی۔ جن کے چہروں کی غیرت نے عرش و فرش سے سلام لیے ہیں جو صرف زندہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتدا ہے اور وہ مر کے زندگی کی ابتدا کر گئے وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے۔

سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ ——— سلام ہو،

اے شہروں کے شہنشاہ

اے انسانوں کی امید گاہ

اے زیر فلک عالم پناہ ———

سلام ہو۔

وہ گھبراہٹ جو اپنی روسیاہیوں کے باعث مسجد نبویؐ میں داخلے کے تصور سے پیدا ہوگئی تھی ایکا ایکی ختم ہوگئی۔ بیت اللہ میں جلال ہی جلال تھا، مسجد نبویؐ میں جمال ہی جمال معلوم ہوا جیسے کوئی آغوش کھل گیا ہو فخر و مسرت کا ایک عجیب احساس طاری ہو گیا باب عمرؓ باب مجیدی اور باب عثمانؓ سے باہر کا فرش جو ہر سہ دروازوں کے سامنے بچھا ہوا ہے وہاں تمام دن کبوتروں کی ٹکڑیاں اڑتی اور بیٹھتی ہیں یہاں بدوؤں کے بچے گیہوں کے لفافے لیے صدا دیتے ہیں عقیدت مند لفافے خرید کر دانے بکھیر دیتے ہیں کبوتر آڑ اُڑ کے دانے چنتے اور رہ رہ کے چکر کاٹتے ہیں ہمارے ہاں انسانی ہاتھ کے خدشہ سے کبوتر اترتے ہوئے ہچکچاتے ہیں لیکن یہاں انہیں کوئی خدشہ نہیں وہ آپ کے آس پاس اڑتے پھرتے اور چنتے ہیں ان کی طرف بڑھیں تو وہ پرواز کا دائرہ بنتے اور پھیری لیتے ہیں ہم داخل ہوئے تو نماز عصر کی صفیں کھڑی ہو رہی تھیں اور یہ پہلی نماز تھی جو حرم نبویؐ میں ادا ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ جو درجہ نماز کا یہاں ہے وہ مسجد الحرام کے سوا اور کہیں

نہیں! خود جبین رسالتؐ یہاں بارگاہ ایزدی میں جھکتی رہی ہے یہاں کی ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر ہے یہاں ہر ذرہ جنت ہے جنت اور کیا ہوگی کہ سامنے رسولؐ خدا سو رہے ہیں۔ کوئی لمحہ درود و سلام اور سجدۂ و تکبیر سے خالی نہیں یہ تسبیح و تہلیل قرآن و حدیث، ذکر و اذکار، نوافل و وظائف اور دعا و صفا کی دنیا ہے اس کی بنیادیں وہی ہیں جو رسول اللہ نے اٹھائی تھیں اس کی روح رسول اللہؐ کی روح ہے امہات المومنین کی حیا چاروں طرف محیط ہے صحابہؓ کی آوازیں گونجتی ہوئی ہیں اور اہل بیت بولتے چالتے ہیں صرف محسوس کرنے کی ضرورت ہے اور احساس کسی کسی کو ملتا ہے۔

نمازیں کعبۃ اللہ کی ہوں یا مسجد نبویؐ کی طویل نہیں ہوتیں ہمارے ہاں کی مسجدوں کے امام طول کھینچتے ہیں لیکن حرمین میں ہر نماز اختصار سے ہوتی اور خضوع و خشوع پیدا کرتی ہے۔ کعبۃ اللہ میں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں مسجد نبویؐ میں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ کا رسولؐ دیکھ رہا ہے وہ شور و شغب نہیں جو ہمارے ہاں مسجدوں میں نماز کے بعد عام ہوتا ہے۔ ایک عجیب سکون ہے جو نماز سے پہلے نماز کے دوران اور نماز کے بعد چھایا رہتا ہے بعض ٹکڑیوں میں دورۂ حدیث ہوتا ہے اور اس غرض سے مختلف ممالک کے علماء حلقہ باندھ کر درس دیتے ہیں لیکن ہماری طرح کے واعظوں کی طرح نہیں جو حلقۂ درس کو سر پر اٹھا لیتے اور دھنیں تراش کر بزعم خویش قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں ——— ہمارے واعظ قرآن و سنت پڑھانے سے زیادہ اپنے علم اور گلے کی دھاک بٹھاتے ہیں لیکن حرمین میں اللہ و محمدؐ کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے باقی سبھی کچھ عجز و الحاح ہے یا سوز و گداز۔ یہاں کوئی اکڑ نہیں، کوئی تمکنت نہیں، کوئی شاہی نہیں، کوئی دولت نہیں۔ یہاں وہی سب سے زیادہ

اکڑ والا ہے جو سب سے زیادہ عاجز ہے۔ وہی بانکپن ہے جو سب سے زیادہ منکسر ہے وہی شاہ ہے جو گدا ہے اور وہی دولت والا ہے جو اللہ کا بھکاری ہے ———

یہاں کسی دنیوی عزت کو ترجیح نہیں یہاں ترجیح صرف عشق نبویؐ کو ہے کسی کو کسی سے سروکار نہیں سب کو ایک ہی چوکھٹے سے سروکار ہے جو آتا ہے اسی کا ہو کر آتا ہے بیت اللہ میں عقیدہ حاضر ہوتا اور جبینیں جھکتی ہیں، حرم نبویؐ میں عشق لے جاتا اور دل جھکتے ہیں دل میں اللہ و رسولؐ ہیں تو آزما لیجئے یہاں حاضر ہونا بڑا مشکل ہے نفس پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ آستانہ محمدؐ پر حاضر ہونے والے یہ لوتا کہاں سے آیا ہے، یہاں تو بڑے بڑے رہ جاتے ہیں محمدؐ کے روبرو کھڑا ہونا آسان بات ہے! اس کی تاب جانثاران محمدؐ میں کہاں تھی۔

اب جو ساتھی آگے بڑھنے لگے تو میں رک گیا انہیں تو یہاں رہتے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں سال بھر میں کئی کئی حاضریاں دیتے ہیں میں کیا؟ میری بساط کیا! ایک مجموعۂ فسق، مجھ میں یہ بال و پر کہاں سے آ گئے کہ اڑ کے یہاں چلا آیا! بہت ہمت کی، قدم اٹھتے ہی نہیں ایک سیاہ کار کا رسول اللہؐ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا ——— بہت بڑی جسارت ہے! میں اس حد تک تو پہنچ گیا جہاں تک ۱۶۱ ہجری میں توسیع ہوئی تھی اس سے آگے حوصلہ مفقود تھا ہاتف نے کہا رکو نہیں یہاں رک گیا تو کہیں کا نہیں رہے گا ستون ابو لبابہؓ کے پاس کھڑا دیکھ رہا تھا کہ حضورؐ حجرۂ عائشہؓ میں فروکش ہیں میں نے اپنے تئیں بندھا ہوا پایا۔ حضورؐ بلائیں تو آگے بڑھوں ان کی طرف سے بندش ڈھیلی نہ ہوگی تو ہلوں گا کیونکر؟ دل نے کہا بڑھ نالائقوں کے نالائق ——— روسیاہ! جب تک اس در پر کھڑا نہ ہوگا یہ روسیاہی نہیں

ڈھلے گی، یہ داغ نہیں مٹیں گے پاگل! ان سے مایوس ہوتا ہے جو مایوسیاں دور کرنے آئے ہیں۔ لاتقنطوا کا مژدہ کون لایا؟ وہی تو لائے تھے اب نفس کا نخرہ دکھا رہا ہے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ندامت کا غلبہ ہے، ہمت جواب دے گئی ہے۔ نفس کی فریب کاری تا کے؟ چشمہ پر تشنگی مٹانے پہنچا ہے اور اب لب خشک کئے کھڑا ہے بڑھ آگے اور کھڑا ہو جا اُن کے سامنے جو ہر جہان کے رحمت ہیں ان کا خزانہ کھلا ہے جھولی بھر، دونوں ہاتھوں سے بھر، صبح و شام بھر یہاں سے ہر شخص کو خلعت فاخرہ ملتی ہے۔ کوئی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں یہ رحمۃ للعالمینؐ کا دربار ہے۔ سورج کالے گورے پر یکساں چمکتا ہے ہوا گنہگاروں کے لیے رک نہیں جاتی وہ سب کے مشامِ جان ہے، خوشبو پھیلنے کے لیے ہے چشمے کسی کے لیے اپنے سوتے نہیں موڑتے وہ سب کے لیے رواں دواں ہیں۔ لوگ آتے اور تشنگیاں مٹا کے چلے جاتے ہیں آبِ رواں نے کسی تشنہ لب سے کبھی اس کی ذات پات نہیں پوچھی، ہمیشہ ظروف بھر دیئے ہیں۔

آخر وہاں پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لیے آیا تھا ——— روضۂ مبارک کے روبرو،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

تین بیضوی جھروکوں میں پہلا جھروکا سرورِ کونینؐ کا ہے دوسرا ابوبکرؓ کا، تیسرا عمر فاروقؓ کا۔

جانے کتنی دیر گم سم کھڑا رہا ہے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی انسانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور سب اشکبار ہیں اس حد تک تحیر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں، لوگ آ رہے اور جا رہے ہیں پہرے دار کھڑے ہیں راستہ بن رہا، خلقت نکل رہی اور دعائیں لٹ رہی ہیں، شمع روشن ہے، پتنگے جمع ہیں گھٹتے ہی نہیں بڑھتے چلے جاتے اور لوبیں گھلے جا رہے ہیں دعائیں دُہرا دُہرا کر ختم ہوگئیں سلام و درود نذر ہوتے رہے وہ مزا جو مواجہہ پر تھا ہر آن بڑھتا گیا ادب کی آخری حد عشق کا منتہیٰ، حسن کی جولان گاہ! ملائکہ عرشِ الٰہی سے آ رہے اور سلام کے موتی نذر کر رہے ہیں۔ معاً میرے کانوں میں ہچکیاں اُترنے لگیں جسٹس بشیر الدین خان (چیف جسٹس صوبہ سرحد) رو رہے تھے موصوف مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج تھے ——— مجھے ختم نبوت کی پاداش میں نظر بند کیا گیا تو میرے مرافعہ میں جسٹس شوکت علی کے ساتھ ڈویژن بنچ کے سینئر جج تھے میں اس سے پہلے انہیں کبھی ذاتی طور پر نہیں ملا تھا لیکن انہوں نے کراچی میں سماعت کرتے ہوئے ایڈووکیٹ جنرل سے کہا تھا۔

"ہم ایسے کسی فیصلے کے پابند نہیں! اور وہ کون سا فیصلہ ہے جو مرزائیوں کو مسلمان قرار دیتا ہے، ختم نبوت مسلمانوں کے ایمان کا جز ہے ان کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے مفتری ہے اور جو اس کی نبوت کو مانتا ہے وہ اسلام سے خارج ہے۔"

جسٹس بشیر الدین کی ہچکیوں نے مجھے چونکا دیا۔ خود اس وقت میری آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ پلٹ کے آگے بڑھ رہے اور میں پلٹ کر مڑ رہا تھا ایکا ایکی ہم ایک دوسرے کے رُوبرو ہو گئے دیکھتے ہی بول اٹھے۔

"سب کچھ یہیں ہے اور کہیں کچھ نہیں ہے عشق تمہیں یہاں لایا — وہی
عشق مجھے یہاں لایا ہے۔"

وہ باب جبرئیل سے حضرت فاطمہؓ کے حجرہ کی طرف ہو گئے، میں ایک طرف ہو کے نفل پڑھنے لگا، سجدہ یہ تھا کہ: ؎

باقی ہے در اور جبین ہو چکی

اس وقت مسجد نبویؐ کی شکل یہ ہے کہ دس ایکڑ کے رقبہ میں ایک مستطیل عمارت ہے باب عمرؓ، باب مجیدی یا باب عثمانؓ سے داخل ہوں تو پہلا حصّہ چھتا ہوا ہے فرش سنگ مرمر کا ہے اور اس پر قالین بچھے ہوتے ہیں۔ دوسرا حصہ صحن کی شکل میں کھلا ہے بیچ میں سنگ مرمر کی روش ہے دو طرف کھلا صحن ہے جہاں کنکریاں ڈلی ہوئی ہیں اور یہ غالباً سُنّت نبویؐ کے اتباع میں ہے۔ حضورؐ نے مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی تو اس وقت کچی اینٹوں کی دیواریں، برگ خرما کا چھپر اور کھجور کے ستون تھے فرش خام تھا بارش میں کیچڑ ہو جاتی ایک دفعہ صحابہؓ نماز کے لیے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست پر بچھا لیں! حضورؐ نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔ تیسرا حصہ بھی چھتا ہوا ہے، یہاں بھی قالین بچھائے گئے ہیں۔ چوتھا حصہ بھی دوسرے حصہ کی طرح ہے۔ پانچواں مسجد نبویؐ کا ابتدائی حصہ ہے۔ پہلے اسی حصہ کا نام مسجد نبویؐ تھا باب النساء اور باب جبرئیل کے درمیان حجرہ فاطمہؓ کے بالمقابل مقصورہ شریف کی پشت پر کہ اسے اسطوانۂ تہجد بھی کہتے ہیں اصحاب صفہ

کا چبوترہ ہے اس چبوترہ کی سیدھ پر روضۂ اقدس کی عمارت ہے اس سارے حصہ میں امہات المومنین کے گھر، صحابہؓ کے حجرے، نبی اکرمؐ کے منبر و محراب، وفود سے ملاقات کی بیٹھک، اعتکاف کا گوشہ، اسطوانات رحمت ——— ریاض الجنت، غرض رحمتوں، فضیلتوں، برکتوں اور عظمتوں کی پوری دنیا گتھی ہوئی ہے ابوبکرؓ کا مکان جو حجرہ رسالت کے روبرو تھا اس میں ضم ہو گیا اور مسجد کی چوڑائی باب السلام تک چلی گئی ہے مواجہ شریف قبلہ کی جانب ہے اس سے آگے بائیں طرف اسطوانہ جبرئیل ہے اس کے ایک طرف بیت حضرت عثمانؓ اور دوسری طرف بیت ابو ایوب انصاریؓ تھا۔ اب یہ مسجد نبویؐ یا مسجد کے گرد و پیش میں شامل ہو چکے ہیں دونوں طرف شرقاً غرباً باب عثمانؓ سے باب جبرئیل تک چھتے ہوئے برآمدے ہیں۔ پہلی طرف عورتیں اور دوسری طرف مرد فرائض و سنن اور وظائف و اوراد پڑھتے ہیں۔ کئی ٹکڑیاں تفسیر و حدیث کا دورہ کرتی ہیں۔

روضۂ اقدس چاروں طرف سے پیتل کے گرد پوش میں ہے یہ گرد پوش جالی کے طرز پر ہے اور اندر کی ہر چیز کھلی نظر آتی ہے۔ مواجہ شریف کے اندر سنگ مرمر کے فرش پر تین کالی سلیں ہیں جو فرش کو ممیز کرتی ہیں اور یہی ہر سہ قبروں کے نشان ہیں۔ حضورؐ کے شانہ سے ابوبکرؓ اور ابوبکرؓ کے شانہ سے عمر فاروقؓ کی قبریں ملی ہوئی ہیں اصل قبروں پر سنگ و آہن کی دیوار کھچی ہوئی ہے کوئی ستر اسی سال تک مدفن مبارک اصل حالت میں رہے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گورنر مدینہ نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے ایک سنگی عمارت کھینچ دی جس سے تینوں مزار حجاب میں آ گئے۔ کچھ روز بعد گرداگرد سنگی ستونوں اور محرابوں کا ایک اور احاطہ بنا دیا گیا اسی احاطہ پر گنبد خضریٰ ہے اس پنج گوشہ عمارت پر کلمہ طیبہ سے منقش غلاف چڑھا ہوا ہے پاکستان یا ہندوستان میں مزار اقدس کی جو تصویریں پائی

جاتی ہیں وہ سب فرضی ہیں کسی کو غلاف کے اندر کی عمارت کا حال معلوم نہیں نورالدین زنگی نے شیشہ کی آٹھ فٹ گہری اور دس فٹ اونچی دیواریں چنوا دی تھیں جس سے ایک حصار کھڑا ہو گیا اب اندر کا نقشہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں بس وہی سیاہ پتھر کی تین سلیں روضۂ اقدس اور مدفن ابوبکرؓ و عمرؓ کی نمائندگی یا نشاندہی کرتی ہیں کہ یہاں سے اس پردہ کے پیچھے حجرہ میں شہنشاہ کونینؐ اور ان کے دو وزیر آرام فرما رہے ہیں مواجہ شریف کا دروازہ بعض سربراہان مملکت کے لیے کھلتا ہے تو اندر وہی ہے جو تانبے کی جالیوں سے کھلا نظر آتا ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض سربراہ تاب نظارہ نہ لا کر غش کھاتے اور گر پڑتے ہیں۔ شاہ حسین والی شرق اردن ابھی دنوں حاضر ہوئے۔ مجھے فضل حق نے بتایا۔ کہ دروازہ کھلتے ہی ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو گئے۔

غلاف کی حالت بے حد پتلی ہے صاف نظر آتا ہے کہ بوسیدہ ہو چکا ہے۔ سعودی حکومت غلاف بدلنے کو بدعت سمجھتی لیکن غلاف اتارنے سے ڈرتی ہے، ابھی پچھلے دنوں عبدالکریم ثمر ج سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ سعودی حکومت نے ایک رات عقیدہ سے چوری چھپے پرانا غلاف اُتار ڈالا اور نیا غلاف چڑھا دیا ہے اس سے پہلے اُسے راضی کرنا مشکل تھا اور کسی بھی مسلمان حکومت کی خواہش پر آلِ سعود کی شرعی حکومت تیار نہ ہوتی تھی گویا جو شریعت لے کے آیا ساری پابندی اسی کے لیے ہے اور جن کے لیے شریعت آئی وہ اس سے آزاد ہیں ان کے نزدیک حکم رسالتؐ گنبد خضریٰ کے لیے ہے ان قبوں کے لیے نہیں جو محلوں کی شکل میں تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

مسجد نبوی اور گنبد خضریٰ معناً ایک ہی چیز ہیں پنج گوشہ روضۂ اقدس ریاض الجنت میں اس طرح ہے جس طرح بدن میں روح۔ روضۂ اقدس کی منڈیر پر چھت کا سبز گنبد

ہے اسی کا نام گنبدِ خضریٰ ہے خضریٰ کے معنی ہی سبز کے ہیں۔ سلطان محمود نے ۱۲۵۵ ہجری میں گنبدِ دھات سے مڑھ کر سبز رنگ کرا دیا تب سے اس کا نام گنبد خضریٰ یعنی سبز گنبد ہو گیا ہے۔

وقتاً فوقتاً کئی حکمران مسجد نبویؐ کے رنگ و روغن اور تعمیر و بناوٹ میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ مثلاً سلطان عبدالحمید نے پہلی دیواریں ڈھا کر نئی دیواریں بنوائیں اور ریاض الجنت کے ستونوں پر سونے اور چاندی کے محلول سے آیات لکھوائیں اسمائے باری تعالیٰ اور منتخب احادیث کندہ کرائیں۔ بعض مقامات پر تسمیہ لکھا گیا قصیدہ بردہ رقم کرایا لیکن موجودہ حکومت نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ اور قرآن پاک کی آیات کے سوا ہر چیز مٹا دی ہے بعض ستونوں پر سیاہی پھری ہوئی اور بعض کے حروف کھود کر ان میں پلستر بھر دیا ہے۔ مرمت کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ عہد بعد کے حک و اضافہ کا علم ہوتا ہے ورنہ حکومت نے کسی جگہ کوئی نشان یا علامت نہیں چھوڑی کوئی تحریر نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ حصہ کس زمانہ میں اور کب بنا تھا یا اس کا معمار و مجوز کون تھا ایسی ہر چیز یا بدعت ہو گئی ہیں حتیٰ کہ روضۂ اقدس پر غلاف چڑھانا بھی بدعت ہے لیکن مسجد کے فرش پر قالین بچھانا بدعت نہیں، ادب یا آرائش ہے گو شرعی سختیوں کے باوجود حکومت نے —— بیت اللہ اور مسجد نبویؐ میں عظیم الشان اضافے کیے ہیں دروازے اور ستون دونوں بڑھا دیئے ہیں۔ لیکن جہاں تک فن تعمیر میں رونق پیدا کرنے کا تعلق ہے دولت کی بہتات کے باوجود آلِ سعود اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکی اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربوں کا اپنا کوئی فن تعمیر نہیں وہ عمارتوں کے حسن سے نابلد ہیں ان کی عمارتوں میں ابھی تک بدویت پائی جاتی ہے ایک عظیم و وسیع عمارت

کھڑی کر لینا چنداں مشکل نہیں لیکن شکوہ کے ساتھ حسن اور ہیبت کے ساتھ جمال ہو تو حسن و جمال بے نظیر ہو جاتے ہیں۔ عربوں کی جگہ وہ مغل ہوتے جو برِ عظیم میں تاج محل شالیمار لال قلعہ وغیرہ چھوڑ گئے ہیں تو مسجد نبویؐ اور بیت اللہ کی اضافی تعمیریں عقل انسانی کا شہ پارہ ہوتیں مگر عربوں کی صحرائی زندگی نے جہاں تک تعمیرات کا تعلق ہے ان کے جمالیاتی ذوق اور فنی وجدان کو شل کر دیا ہے۔

جس زمانہ میں حرمین شریفین ترکوں کی خدمت گذاری میں تھے باوجودیکہ عثمانیوں کا طرزِ تعمیر تنوع سے خالی ہے اور ان کی صلابت عمارتوں میں نہیں ہے لیکن عربوں کے مقابلہ میں دین و مذہب کی یادگاروں سے ان کی بھرپور عقیدت خاصی پرشکوہ ہے۔ عربوں نے پہلی جنگ عظیم میں برطانوی استعمار کے اشارۂ ابرو پر ترکوں سے جس تنفر کا اظہار کیا وہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ان کی تمام یادگاریں مٹا دی گئیں وہ ریلوے لائن جو مدینہ طیبہ کو شام کے راستے ترکی سے ملاتی تھی اکھاڑ ڈالی۔ ایک تباہ حال گاڑی اب تک مدینہ کے اُجاڑ اسٹیشن پر کھڑی ہے اس اسٹیشن سے قریب ہی ترکوں کی بنائی ہوئی مسجد ایک ایسے انسان کی طرح پڑی ہے جو قافلہ سے بچھڑنے کے بعد صحرا میں رہ جاتا اور گھنی چھاؤں ڈھونڈھتا ہے اور اسے کوئی دوسری آواز سہارا نہیں دیتی اس مسجد پر یہ الزام ہے کہ اس کی سمت قبلہ ٹیڑھی ہے لہذا یہاں نماز ہے نہ اذان، بیت اللہ کی توسیع میں بھی ترکوں کی عمارت چاروں طرف سے لپیٹی جا رہی ہے اب سنا ہے ایک حصہ جوں کا توں چھوڑ دیا ہے یہاں مسجد نبویؐ کے ستونوں سے بھی ترکوں کی خطاطی محو کر دی گئی ہے لیکن بیت اللہ ہو یا مسجد نبویؐ ان کا حسن اور ان کی عظمت سنگ و خشت کی تزئین سے نہیں —— بلکہ

کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ان کی خوبی اور ان کا شرف خدا کا گھر اور محمدؐ کی آرام گاہ ہونے کے باعث ہے۔ کعبۃ اللہ کی ہمسری کل کائنات نہیں کر سکتی ہر آن اللہ کے فرشتے حاضری بھرتے اور روئے زمین کے ہر خطے سے انسان چلے آتے ہیں حرم نبویؐ محدث عصر قاضی عیاض مالکی کے الفاظ میں "روئے زمین کے سارے مقامات سے بڑھ کر ہے۔" اور یہ قول فقہا و حکماء:

"جس جگہ حضورؐ کا جسدِ مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے یہاں تک کہ کعبہ و عرش سے بھی بڑھ کر!

اس بارے میں کوئی سی دوسری رائے نہیں ہے۔"

اس آستانہ کو عمارتی کر و فر اور فنی جاہ و جلال کی ضرورت نہیں جس رسولؐ نے ساری زندگی گاڑھے کا تہمد اور گاڑھے کا کرتہ پہنا ہو ان میں پیوند لگے ہوں ان کے روضۂ اقدس کو یہی ہونا چاہیئے عمارت فاخرہ، فقر غیور کی منشا کے خلاف ہے عمارتیں تو ان کے غلاموں اور دربانوں کے لیے ہیں تمام دنیا میں پھر جائیے وہ لوگ جنہیں اس ذات عالم پناہ نے اپنی رفاقت و ولایت اور عشق و معرفت کا شرف بخشا ان کی قبریں معماری کی معراج پہ ہیں لیکن مسجد نبویؐ روضۂ اقدس اور گنبد خضریٰ ہر عہد کے فرماں رواؤں کی نیاز مندی کے باوجود فقر غیور میں ڈھلی ہوئی ہے۔ مسجد میں ایک عام اندازے کے مطابق ٣٢٧ ستون اور کئی دروازے ہیں سب گنائے نہیں جا سکتے لیکن باب عمر کی دائیں سیدھ پر باب الرحمت اور باب السلام ہیں باب عثمانؓ کی بائیں سیدھ پر باب النساء اور باب جبرئیل ہیں باب عمرؓ اور باب عثمانؓ کے

درمیان باب عبدالمجید ہے اب سعودی حکومت نے باب عمرؓ کے علاوہ باب عبدالعزیز اور باب سعود کا اضافہ کیا ہے مسجد کی انتظامیہ کا دفتر باب صدیقؓ کے اوپر ہے روضۂ اقدس کے پانچ دروازے ہیں ایک دروازہ تو مواجہہ شریف کا ہے مغرب میں باب وفود اور باب توبہ ہیں حضورؐ انہی دروازوں سے مسجد نبویؐ میں تشریف لاتے تھے باب تہجد شمال میں اصحاب صفہ کے چبوترے کی جانب ہے باب فاطمہؓ مشرق کی طرف ہے۔

حضورؐ کے حجرۂ اقدس سے منبر مبارک تک کے درمیانی حصہ کو ریاض الجنت کہتے ہیں۔ مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ مسجد نبویؐ کا اصل حصہ جس کی بنیاد حضورؐ نے رکھی سب سے زیادہ افضل ہے یہیں وہ آٹھ ستون ہیں جنہیں اسطوانات رحمت کہا جاتا ہے یہ ڈھائی تین سو آدمیوں سے زیادہ کی جگہ نہیں لیکن یہاں نماز پڑھنے کی خاص فضیلتیں ہیں کسی ستون کے پاس جگہ مل جائے تو سبحان اللہ نور اعلیٰ نور۔

بعض روایتوں کے مطابق ہر صبح ستر ہزار فرشتے اس روضۂ جنت میں اترتے اور شام تک درود پڑھتے ہیں وہ جاتے تو ان کی جگہ نئے ستر ہزار فرشتے آتے اور صبح تک درود پڑھتے ہیں یہ جگہ منبر رسولؐ اور حجرہ عائشہؓ کا درمیانی حصہ ہے منبر ٹھیک اسی جگہ ہے جہاں عہد نبوت میں تھا اس حصہ میں محراب النبیؐ اور مصلیٰ نبیؐ ہیں منبت پچی کاری کے کام سے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اور ریاض الجنت کے مغربی جانب ہے، تین محرابیں ہیں۔ جنوبی دیوار میں محراب عثمانی ہے شمال میں محراب تہجد ہے تیسرا محراب نبوی ہے جہاں حضورؐ امامت فرماتے تھے اصل مصلیٰ ایک دیوار سے چھپا دیا گیا ہے صرف اتنا حصہ کھلا ہے جہاں حضورؐ کے قدم مبارک ہوتے تھے۔ اس شخص کی سربلندی میں کسے کلام ہوگا جس کا سر نماز میں ٹھیک اسی جگہ حضورؐ کے قدموں پر ہوتا ہے۔

مصلّٰی نبیؐ کی پشت پر اسطوانہ مخلقہ ہے جب تک منبر تیار نہیں ہوا تھا حضورؐ یہاں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے اسی کو ستون حنانہ بھی کہتے ہیں حضورؐ نے خطبہ کی جگہ تبدیل کی تو کھجور کے اس ستون نے گریہ و بکا کیا تھا۔

اسطوانہ حرس یا اسطوانۂ علی وہ ستون ہے جہاں صحابۂ کرامؓ بالعموم اور حضرت علی بالخصوص حضورؐ کی دربانی کرتے اور پہرہ دیتے تھے۔ اسطوانۂ وفود اس مقام کی یادگار ہے جہاں باہر سے آتے ہوئے وفود حضورؐ سے شرف ملاقات حاصل کرتے تھے۔ حضرت ابولبابہ انصار مدینہ میں مشہور صحابی ہیں۔ اسطوانۂ ابولبابہ ان کے نام سے منسوب ہے۔ اصل نام رفاعہ تھا۔ کنیت ابولبابہ قبیلہ اوس غزوۂ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ حضورؐ کے اونٹ کی تیسری سواری تھے حضورؐ نے غزوۂ بدر کے موقع پر انہیں مدینہ میں اپنا نائب بنا کر واپس کر دیا تھا۔ اہل قریظہ — یہود تھے اور سلام کے سخت دشمن حضورؐ نے ۵ ہجری میں ان کا محاصرہ کیا تو یہود نے قبیلہ اوس کا حلیف ہونے کی رعایت سے ابولبابہ کو مشورہ کے لیے بلایا، وہ گئے تو یہود نے بڑی تعظیم کی یہودیوں کی عورتیں اور بچے روتے دھوتے آگئے ان کی چیخ پکار سے متاثر ہو کر ان سے کہا کہ جو محمدؐ کہتے ہیں مان لو ورنہ (گلے کی طرف اشارہ کر کے)، نہ ماننے کی صورت میں قتل کیے جاؤ گے۔ پلٹے تو خیال آیا کہ خدا و رسولؐ کی خیانت ہوئی ہے سخت پریشان ہوئے فوراً مسجد نبویؐ میں آئے ایک وزن دار موٹی زنجیر لے کر اپنے کو ایک ستون سے باندھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں کرتے اسی طرح بندھا رہوں گا آٹھ روز اسی حال میں گذرے۔ نماز اور حوائج کے لیے زنجیر کھول لیتے فراغت پا چکتے تو ان کی لڑکی پھر باندھ دیتی، کھانا پینا ترک کر دیا، کانوں سے بہرے ہو گئے آنکھیں خطرے میں پڑ گئیں اور

کمزوری سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے رحمت الٰہی جوش میں آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے کہ طلوع فجر سے پہلے آیت توبہ اتری حضورؐ فرط مسرت سے مسکرا اٹھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمیشہ فرحاں رکھے بات کیا ہے؟ فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے اتنا کہنا تھا کہ تمام شہر میں خبر پھیل گئی لوگ ابولبابہ کو کھولنے آئے انہوں نے کہا اب یہ زنجیریں حضورؐ ہی کھول سکتے ہیں چنانچہ حضورؐ فجر کی نماز کے لیے ریاض الجنت میں آئے تو اپنے مبارک ہاتھ سے زنجیریں کھولیں۔ ابولبابہ کے اطمنان و مسرت کا یہ حال تھا کہ اپنا کل مال صدقہ کرنے کو تیار ہو گئے حضورؐ نے فرمایا —— نہیں ایک ثلث صدقہ کرو ستون ابولبابہ اس پابجولاں صحابیؓ کی یادگار ہے۔

اسطوانہ سریر وہ ستون ہے جہاں حضورؐ حالت اعتکاف میں کبھی کبھار کھجور کے بوریے پر آرام فرماتے تھے اسطوانہ جبرئیل وہ مقام ہے جہاں جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے یہ چاروں ستون بالین مبارک کی دیوار سے قریب ایک قطار میں ایک ساتھ ہیں۔ حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جائے تو وہاں جگہ پانے کے لیے قرعہ ڈالیں اس وقت سے صحابہؓ برابر اس کی جستجو میں تھے آپؐ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بتایا کہ فلاں جگہ ہے، حضورؐ طلوع فجر سے پہلے اکثر یہاں دعا کرتے حضرت عائشہؓ اس کی کھوج میں تھیں فوراً پہچان گئیں ارشاد مبارک پہ نشاندہی کی تو حضورؐ نے صاد کیا، اس کو اسطوانہ عائشہؓ کہتے ہیں۔ شمالی دیوار میں اسطوانہ تہجد ہے رسولؐ اللہ نے یہاں تہجد کی نمازیں ادا فرمائی ہیں اس سارے حصہ کو حضورؐ نے جنت کا باغ کہا ہے جو کہ حضورؐ

کے منہ سے نکل گیا وہ نورانی بھی ہے اور لافانی بھی ——— ؏

ہر آنکہ شک آرد کافر گردد

حضرت فاطمہؓ کا حجرہ، مرقدِ رسالتؐ کا لختِ جگر ہے یہ حجرہ مزارِ اقدس کے شمالی جانب باب جبرئیل کے مقابل ہے ہارون الرشید کی ماں خیزران نے پہلے پہل روضۂ اطہر پر غلاف چڑھایا تھا سلطان عبدالعزیز ابن سعود کے زمانہ میں رک گیا اور گذشتہ سال تک ترکوں ہی کا غلاف پڑا رہا جیسا کہ پہلے عرض کیا اب شاہ فیصل نے حکومت کی شرعی سنگینی سے آنکھ بچا کر غلاف بدل ڈالا ہے سال میں تین دفعہ ربیع الاوّل، رجب اور ذی قعد میں، روضۂ اقدس کو غسل دیا جاتا تھا۔ حضورؐ نے ۹ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو وصال فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ۲۲ جمادی الاوّل ۱۳ ہجری اور حضرت عمر فاروقؓ نے ۲ ذالحجہ ۲۳ ہجری کو انتقال کیا۔ اصحاب صفہ کے چبوترا پر حبشی نژاد، فربہ جسم، قد آور خواجہ سراؤں کی ایک جماعت بیٹھی رہتی ہے یہ حکومت سے باقاعدہ مشاہرہ پاتے ہیں۔ ان کے سپرد مسجد و مزار کی نگہداشت ہے مواجہہ شریف کے پاس حکومت کے سپاہی کھڑے رہتے جو لوگوں کو بوسہ دینے یا ماتھا رگڑنے سے روکتے ہیں۔ مسجد نبویؐ نماز عشاء کے بعد بند ہو جاتی پھر نماز فجر سے پہلے کھلتی ہے لیکن باب جبرئیل کا ضمنی دروازہ خصوصی اجازت والوں کے لیے کھلا رہتا ہے معدودے چند لوگ رات بھر حاضر رہتے اور فیضیاب ہوتے ہیں جن لوگوں کے سپرد مسجد اور روضۂ اقدس کی صفائی کا کام ہے ان میں پاکستانی بھی ہیں معقول مشاہرہ پر خدمت انجام دیتے اور دونا ثواب کماتے ہیں۔ مسجد کے دو مینار قدیم ہیں اور دو حال ہی میں شمالی جانب تعمیر کیے گئے ہیں جنوب مشرقی مینار وہ تو نہیں جس پر حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے لیکن جگہ ٹھیک وہی ہے موذن پہلی منزل پر اذان دیتے اور لاؤڈ سپیکر

پورے شہر میں پھیلا دیتے ہیں جنوب مشرقی مینار کے ساتھ ایک حجرہ ہے جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے تھے اس جگہ کو ہبطِ وحی کہا جاتا ہے تمام مسجد اعلیٰ درجہ کے بڑے بڑے قالینوں سے اٹی پڑی ہے عہدِ نبوت اور ابتدائی توسیع کے حصہ میں سنگ مرمر کا فرش ہے اس پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ نئی عمارت اور اس کی توسیع سنگ زرد کی ہے ریاض الجنۃ میں فانوس اور جھاڑ لگے ہیں۔ باقی حصہ میں دودھیا روشنی کے ٹیوب ہیں روضۂ اقدس کے اردگرد قندیلیں ہیں۔ اتنی روشنی ہے کہ بقعہ نور ہو جاتا ہے۔ یہی حال پنکھوں کا ہے ساری مسجد میں عقیدت مندوں نے پنکھے لگا رکھے ہیں۔

ریاض الجنت کے شمالی دالان سے ملا ہوا بستان فاطمہؓ تھا جہاں کھجور کے چند شاداب درخت اور ان کی چھاؤں میں ایک کنواں تھا اس کا پانی شیرینی و لطافت میں مشہور تھا لیکن سعودی حکومت نے دونوں کو صاف کر دیا ہے۔

مدینہ کا پانی ہلکا، سبک، خوش مزہ اور ہاضم ہے قدرت نے اس میں ٹھنڈک اور شیرینی رکھی ہے اب یہاں دو چیزیں ہیں جو رسولؐ اللہ کے عہد کی تاثیر رکھتی ہیں کھجور اور پانی اور دونوں قدرتی حیاتین کا مرکب ہیں۔

میں نے باب توبہ کی طرف ایک تخلیہ میں نشست جمالی اور روضۂ اقدس کی طرف ٹکٹکی باندھ کے درود پڑھتا اور سلام بھیجتا رہا عجب عالم محویت تھا قرن اوّل کو لوٹ گیا ——— مدینہ میں ایک غلغلہ مچا ہوا ہے تمام شہر نکل پڑا ہے لوگ پو پھٹنے سے پہلے سرحد سے باہر کھڑے دوپہر تک انتظار کرتے ہیں لیکن جس کا انتظار ہے وہ نہیں آ رہا خبر عام ہے کہ وہ آ رہے ہیں مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں مسافر ابھی تک نہیں پہنچا پھر ایک دن وہ آ گیا کہ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار ہتھیاروں سے سج سج کر

گھروں سے نکلے اور مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر قبا کی آبادی میں خیر مقدم کو پہنچ گئے حضورؐ نے عمرو بن عوف کے خاندان میں کلثوم بن الہدم کے گھر کو شرف میزبانی بخشا۔ حضورؐ کے علاوہ وہ صحابہؓ جو پہلے آچکے تھے وہ بھی انہی کے مہمان تھے حضرت علیؓ جو حضورؐ کی روانگی کے تیسرے دن چلے تھے وہ بھی پہنچ گئے دو روائتیں ہیں ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے یہاں صرف چار دن قیام کیا صحیح بخاری میں ہے کہ چودہ دن۔ اس آبادی کو عالیہ بھی کہتے ہیں مسجد قبا مسجد الحرام، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ کے بعد تمام مساجد میں افضل ہے یہاں دو رکعت نفل پڑھنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔ حضورؐ نے عبوری قیام کے دنوں میں حضرت کلثومؓ سے زمین لے کر اس کی نیو اٹھائی خود پتھر اٹھاتے اور بچھاتے رہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم کافی ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اس گھر کو بنانے میں منہمک تھے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مزدوروں کی طرح تھکن مٹانے کو اشعار پڑھتے ——— اور حضورؐ ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملائے جاتے۔

افلح من یعالج المساجدا
ویقرءُ القرآن قائما و قاعدا
ولا یبیت اللیل عنہ راقدا

(وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا اور رات کو جاگتا ہے) مساجدا، قاعدا اور راقدا کو دہرائیے حضورؐ دہراتے رہے ہیں یہی وہ مسجد ہے جس کا ذکر سورۂ توبہ میں آیا ہے ——— قافلہ مدینہ کی طرف آرہا ہے۔

محلہ بنی عالم آگیا جمعہ کی نماز کا وقت ہے سب سے پہلی نماز جمعہ ادا کی جارہی اور سب سے پہلا خطبۂ نماز پڑھا جارہا ہے قبا سے مدینہ تک دو رویہ لوگ کھڑے ہیں۔ ہر

قبیلہ سامنے آ کر عرض کر رہا ہے۔ حضورؐ یہ گھر آپؐ کا ہے، یہ مال آپؐ کا ہے، یہ جان آپؐ کی ہے آپؐ منت کا اظہار فرماتے، دعائے خیر دیتے شہر کی طرف بڑھ رہے ہیں لیجیے اب تو رحمۃ اللعالمینؐ کا جلوس شہر میں ہے پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گا رہی ہیں۔

طلع البدر علینا	چاند نکل آیا ہے
من ثنیات الوداع	کوہ الوداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	ہم پر شکر خدا واجب ہے
ما دعا للّٰہ داع	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

اور وہ معصوم بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی ہیں۔

نحن جوار من بنی نجار	ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں
یا حبذا محمدؐ من جار	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے۔

خوش نصیب ہو اے بچیو کہ محمد عربیؐ کو خوش آمدید کہہ رہی ہو! تم نے اپنی جنت خرید لی یہ بول جو تمہارے معصوم ہونٹوں سے نکلے ہیں ابدی ہو گئے ہیں انہیں ہر دور کی بیٹیاں دہراتی رہیں گی اور صبح قیامت تک گونجتے رہیں گے۔ تمہاری آوازیں اس دن کی سب سے اچھی آوازیں ہیں ان میں شہد، مکھن اور دودھ گھلا ہوا ہے یہ سہ آتشہ ہیں صبا اٹھا کے لیے جا رہی ہے کہ ساری کائنات کے چمنوں کی شاخوں میں غنچوں کے ریخے ان سے بھر دے اور چہچہاتے ہوئے طائروں میں لٹا دے اور دف کی دل کشی کتنی سحر آور ہے کہ فضا جوان ہو گئی ہے ——— کاش میں ہی وہ لمحہ ہوتا جوان آوازوں کے لیے گوش بر آواز تھا وہ جھونکا ہوتا جو قدوم میمنت لزوم کو بوسہ دے کر گذر

رہا تھا۔ نجار کی ان لڑکیوں کی نگاہ ہوتا جو چہرہ اقدس کے نور میں ڈوب کر جاوداں ہوگئی۔

حضورؐ پوچھتے ہیں بچیو! مجھے جانتی ہو،

کہتی ہیں، ہاں

فرماتے ہیں بیٹیو! میں بھی تمہیں جانتا ہوں،

کوکبۂ نبوی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر پر آکر ٹھہر جاتا ہے وہ ناقہ جس پر حضورؐ سوار تھے یہاں آکر رک گیا ابو ایوب انصاریؓ کو شرف میزبانی بخشا گیا۔ حضورؐ نے چھ ماہ تک قیام فرمایا۔ یہ مکان باب جبرئیل سے آگے مسجد نبویؐ کے آخری نکڑ پر واقع تھا اس سے ہم متصل حضرت عثمانؓ کا گھر تھا اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ ابھی تک محفوظ ہے، وہاں ایک محراب بنادی گئی ہے لوگ یہاں پہنچ کر نفل پڑھتے ہیں۔

اسی اثنا میں مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر شروع ہوگئی حضورؐ سے قریب ہی خاندان نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں اور کچھ کھجور کے درخت تھے ان لوگوں کو بلاکر فرمایا میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں وہ بولے ہم قیمت لیں گے آپؐ سے نہیں خدا سے، چونکہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی، لہذا حضورؐ نے قیمت دینے پر اصرار کیا۔ در یتیم سے بڑھ کر یتیموں کے لیے کون شفیق ہوسکتا تھا دونوں کو بلوایا وہ نذر کرنے کے خواہاں تھے مگر آپؐ نے بہ اصرار قیمت دلوائی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ادا کی۔ زمین ہموار کردی گئی تو اس پر مسجد بنانی شروع کی۔ شہنشاہ کونین بھی مزدوروں میں ہوگئے اور مزدور کون تھے صحابہؓ وہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رجز پڑھتے حضورؐ آواز ملاتے فرماتے۔

اللّٰھم لاعیش الاعیش الآخرۃ

واغفر الانصار والمھاجرۃ

اے خدا کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے

اے خدا مہاجرین و انصار کو بخش دے

کچی اینٹوں کی دیواروں، برگ خرما کے چھپر اور کھجور کے ستونوں سے مسجد نبویؐ تیار ہوگئی قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا جب قبلہ کعبہ کی طرف ہوگیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ کھولا گیا یہی حصہ ریاض الجنت ہے اس سے متصل ازواج مطہرات کے مکان بنوائے گئے اس وقت صرف حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد و نکاح میں تھیں اس لیے دو حجرے بنے۔ جب اور ازواج آتی گئیں تو اور حجرے بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے باقی اینٹوں کے تھے لیکن ان کے اندرونی کے تھے ہر مکان چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑا اور دس دس ہاتھ لمبا تھا۔ چھتیں اتنی اونچی تھیں کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے حضورؐ کے ہمسایہ میں جو انصار تھے وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے التزام کرلیا تھا کہ ہر رات کھانے پر اپنے ہاں سے ہمیشہ ایک بڑا کٹورا بھیجا کرتے جس میں کبھی سالن کبھی دودھ اور کبھی گھی ہوتا۔ حجرے تیار ہوگئے تو آپؐ نے حضرت زیدؓ اور اپنے غلام ابو رافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا کہ وہ مکہ جاکر بیبیوں اور بیٹیوں کو لے آئیں۔ حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ زیدؓ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو حضرت سودہؓ کے ہمراہ لے کر آگئے حضرت عائشہؓ اپنے بھائی ماں اور بہنوئی کے ساتھ آگئیں۔ حجروں کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ حضرت ام حبیبہؓ حضرت زینبؓ

حضرت جویریہؓ ، حضرت میمونہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکان شمالی جانب تھے حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت سودہؓ کے حجرے مشرق کی طرف مسجد نبویؐ سے اس قدر متصل تھے کہ ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتی تھیں ولید بن عبدالملک نے ۸۰ ہجری میں ان حجروں کو مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا۔ تب عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے اور ولید بن عبدالملکؒ خلیفہ ، اس نے حکم دیا کہ یہ حجرے اور دوسرے مکانات جو مسجد کی توسیع میں آتے ہیں خرید لو جو لوگ انکاری ہوں ان کے مکانات حکماً گرا کر ان کی قیمت فقیروں کو خیرات کر دو ازواج مطہرات کے حجرے خالی تھے اور اُن پر نصف صدی سے زیادہ مدت ہو چکی تھی ۔۔۔ بعض لوگوں نے احتجاج کیا کہ ازواج مطہرات کی نشانیاں مٹائی جا رہی ہیں ۔۔۔ وہ مٹا دی گئیں حجرے محفوظ کیے جاتے تو منبر و محراب کے اجارہ دار سُنّت نبویؐ کے ان نمونوں کو دیکھتے کہ عالم پناہ کی بیبیاں کہاں رہتی تھیں! جس سُنّت نبویؐ کے ذکر سے تم نے بنگلے بنا لیے ہیں ۔۔۔ گھر بنانے میں اس کی سُنّت کیا تھی اور وہ عورتیں جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کی مائیں ہیں کس حال میں رہتی تھیں۔

مسجد نبویؐ میں وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی گئی حضرت عمرؓ نے ۱۷ ہجری میں شمال جنوب اور مغرب کی طرف زمین خرید کے توسیع کی حضرت عثمان غنیؓ نے ۲۹ ہجری میں چاروں طرف کمرے بنوائے پتھر کے ستون لگائے اور پختہ چھت ڈالی۔ ۸۰ ہجری میں ولید بن عبدالملک نے اضافہ کیا ، ۱۶۱ ہجری میں مہدی نے شمالی جانب کچھ توسیع کی ۔ آل عثمان میں سلطان محمود نے ۱۲۵۵ ہجری میں گنبد خضریٰ دھات کا بنوایا ۔ ۱۲۷۵ ہجری میں سلطان عبدالمجید نے مسجد کی دیواریں نئے سرے سے بنوائیں اس دوران میں اور اس کے بعد جزوی تعمیریں ہوتی گئیں ، اب سعودی فرماں رواؤں نے یہ فرض اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

کوئی شخص یہاں مادی نذرانے لے کر نہیں آتا ، نذر نہ نیاز ، پھول نہ چراغ ، گجرے نہ مالا ، بتاشے نہ اگربتی ، چادریں نہ چڑھاوے ، فواکہات نہ مشروبات ، دل و نگاہ کے سوا کوئی نذرانہ نہیں ادب و عجز سب سے بڑے نذرانے ہیں۔ طاقوں پر چاروں طرف قرآن پڑے ہیں ، لوگ نوافل و فرائض سے فارغ ہو کر قرآن پڑھتے اور جس پر قرآن نازل ہوا اس کے حجرے کو تکتے اور درود بھیجتے ہیں ہر شخص اس گمان میں ہوتا ہے کہ ابھی ، بس ابھی اُمّی لقبی ہاشمی مطلبی سراپردہ حرم سے باہر آئیں گے ہم ان کے جمال جہاں آرا کو دیکھیں گے انوار سے دامن بھر لیں گے بڑھ کر پاؤں پر نثار ہو جائیں گے ۔۔۔

وجدان سن رہا ہے ، آواز آ رہی ہے ۔

"خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

اگلے روز نماز فجر پڑھ کر روضۂ اطہر پر سلام عرض کیا وہاں سے عباس ملک کے ہمراہ جنت البقیع گیا حرم نبویؐ کے مشرق کی جانب دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔ باب عثمان سے سیدھی سڑک پر ایک چوک ہے اس کے دائیں طرف تھوڑے سے فاصلہ پر جنت البقیع ہے دوسرا راستہ باب جبرئیل اور باب النسآ کے سامنے کی ایک مدینہ و کجدار گلی سے نکلتا ہے یہ گلی قدیم الایام سے ہے گماں ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ اسی راستہ سے آتے جاتے ہوں گے ۔ جنت البقیع کوئی آٹھ ایکڑ رقبہ میں ہوگا چاروں طرف چار ساڑھے چار فٹ کی فصیل ہے ایک ہی دروازہ ہے اس دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا رہتا ہے کئی لوگ باہر زائروں کے انتظار میں رہتے اور کوئی معاوضہ طے کیے بغیر انعام کی توقع پر ساتھ ہو جاتے ہیں وہ ڈھیریوں کی نشاندہی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کون سی قبر کس وجود مبارک کی ہے ؟ یہاں کوئی پھول ڈالا نہیں کوئی مشکیزہ نہیں ،

شمع وگل ناپید ہیں، جنت المعلیٰ کا حال بھی یہی تھا بلکہ وہاں بے اعتنائی کچھ زیادہ ہے لیکن جنت البقیع جو خاندان رسالتؐ کے دو تہائی افراد کا مدفن شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور اَن گنت شہدائے اسلام صلحائے امت اور اکابر دین کے سفر آخرت کی منزل ہے ایک ایسی اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے دامن یزداں چاک کرنے کا حوصلہ نہیں کلاہ سلطانی تک رسائی نہیں اپنا گریبان چاک کرنے سے فائدہ نہیں۔ عمر فاروقؓ نے ٹھیک کہا تھا۔

"عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، لیکن
میں ان کو راستہ پر چلا کے چھوڑوں گا۔"

جنت البقیع میں کوئی عرب نہیں آتا اصل عرب قبروں میں سو رہے ہیں اور وہی صحیح عرب تھے جن کے لیے قرآن اُترا تھا اب وہاں ہم سے عجمی جاتے ہیں اور ایک ایسے منظر سے واسطہ پڑتا ہے کہ دل بیٹھ جاتا ہے ان عربوں کا طرہ کیا ہے یہی کہ ان کے خطہ میں کعبۃ اللہ اور مدینۃ النبیؐ واقع ہیں ان کے دامن میں جبل نور جبل رحمت، جبل صفا اور جبل احد ہیں ان کے راستے رسول اللہ کے قدموں سے مستنیر ہیں ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خطاب کیا آخری نبیؐ ان میں سے مبعوث فرمایا نوّے فی صد تاریخ اسلام ان کی آغوش میں استراحت کر رہی ہے لیکن ان یادگاروں کے محفوظ کرنے سے انہیں شرع روکتی ہے مگر ان کے اپنے وجود لفظی و معنوی سے بادری ہے انہیں ذرہ برابر احساس نہیں کہ اس مٹی میں کون سو رہے ہیں، رسول مقبولؐ کے لخت پارے ہیں ان کی نور نظر اور اس نور نظر کے چشم و چراغ ہیں، چچا ہیں، چچا کے بیٹے ہیں، امت کی مائیں ہیں، جنت کی شہزادیاں ہیں، امام ہیں، ذوالنورین ہیں، شہدار ہیں، اولیا ہیں، فقہا ہیں، علماء ہیں، حکماء ہیں،

حلیمہ سعدیہ ہیں لیکن عرب ہیں کہ قبریں ڈھائے اور محل بنائے جا رہے ہیں۔

مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا دل یوں ہو گیا جس طرح کنوئیں میں خالی ڈول تھرتھراتا ہے۔

داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کے ایک کونے میں حضورؐ کی پھوپھیاں عاتکہؓ، صفیہؓ اور فاطمہؓ کے مزار ہیں آگے بڑھیں تو دائیں طرف نوؓ اُمہات المومنین محو خواب ہیں — عائشہؓ، سودہؓ، زینبؓ، حفصہؓ، ام المساکین ام سلمہؓ، جویریہؓ، ام حبیبہؓ اور صفیہؓ ان کے ساتھ کی روش پر حضرت عقیلؓ، حضرت جعفر طیارؓ، امام مالکؒ اور امام نافعؒ آسودۂ خاک ہیں۔ ان کے ایک طرف شہدا کے مزارات کا ٹکڑا ہے، سامنے حضورؐ کے فرزند ابراہیم کی لحد ہے، ادھر اُدھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ، رقیہ بنت عثمانؓ مظعون، سعد بن ابی وقاصؓ فاطمہ بنت اسدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، مالک الانصاریؓ اسماعیل بن جعفر صادقؒ کے مدفنوں کی ڈھیریاں ہیں۔ آخری نکڑ پر حضرت عثمانؓ کا مزار ہے اس مزار سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر ہے یہی ایک قبر ہے جو اس قبرستان میں درخت کے سائے تلے ہے باقی پورے قبرستان میں کوئی درخت، پودا یا کیاری نہیں۔

اُمہات المومنین کے مزارات سے دس بارہ گز آگے ایک غیر کشیدہ مثلث ٹکڑی میں جو زیادہ سے زیادہ ۳ × ۵ گز کی ہو گی چھ ڈھیریاں ہیں ان پر کوئی نشان نہیں قبروں کی شکل ہے سنگریزوں کا حاشیہ، سینہ پر کنکریاں، دائیں طرف بنتؐ رسول پڑی ہیں سامنے رسولؐ کے چچا حضرت عباسؓ ہیں، حضرت عباسؓ کے جسد مبارک کی داہنی طرف امام حسنؓ امام زین العابدینؒ، امام باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ لیٹے ہیں — یہ ساری جگہ مسجد نبویؐ میں واقع حضرت فاطمہؓ کے حجرے سے بھی چھوٹی ہے۔ اس کربلا میں چچا نگران ہیں، بچے ماں

کی گود میں ہیں اور جو کربلا میں رہ گئے تھے ان کی جدائی کا حزن ماں کی قبر سے محسوس ہو رہا ہے شوہر نجف اشرف میں اور باپ ـــــ وہ سامنے کہ بیچ میں چند مکان حائل ہیں دنیا والوں نے مرنے کے بعد بھی دیواریں کھینچ دی ہیں گنبدِ خضریٰ کو اس رخ سے دیکھیے سوگوار معلوم ہو رہا اور اس ویرانی کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے ـــــــــــ اس کے ہونٹوں پر جنبش سی ہے

گوشش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست:

"فاطمہؑ میرا جگر گوشہ ہے جس سے اس کو دکھ پہنچے گا مجھے بھی اذیت ہوگی۔"

(ارشادِ نبویؐ)

ماں کہتی ہے زین العابدین میرے لختِ جگر کے مہ پارے! باپ کہاں رہ گیا؟

زین العابدین کہتے ہیں دادی اماں پھوپھی زینبؑ سے پوچھیں، وہ لٹی پٹی بے کجاوہ اونٹ پر آرہی ہیں، ابا کا سر نیزہ پر لٹک رہا ہے اور ۷۲ سر مشایعت کر رہے ہیں مدینہ میں کہرام بپا ہے بنو ہاشم کی عورتیں بنت عقیل بن ابی طالبؑ کے جلو میں چلاتی ہوئی گھروں سے نکل آئی ہیں کہ محمدؐ کا گھرانا شام سے لٹ کر آرہا ہے وہ نوحہ کر رہی ہیں۔

کیا کہو گے جب نبیؐ تم سے سوال کریں گے۔

"کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو تم نے میری اولاد اور میرے خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا! ان میں بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے ہوئے ہیں۔"

بنتِ رسولؐ کی لحد کے سامنے میں کوئی گھنٹہ بھر ساکت و صامت کھڑا رہا جیسے کوئی چیز گڑ گئی ہو اور اس میں زندگی کے آثار مطلقاً نہ رہے ہوں ملک عباس دیر تک دعائیں مانگتے رہے لیکن میں تھا کہ "بے دست و پا" کھڑا تھا جب محویت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہوش

رہے نہ حواس جیسے کوئی آہ نارسا منجمد ہو چکی ہے یا آنسوؤں کی طغیانی رک گئی ہے تو عباس ملک نے مجھے گم سم پا کر کہا۔

آغا صاحب! فاتحہ پڑھیے،

میں پوری طرح جل چکا تھا عباس نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا آغا صاحب! اور میں النقش کالحجر کی طرح تھا انہوں نے جھنجھوڑا ـــــ "فاتحہ پڑھیئے"۔ میں نے کہا ملک صاحب فاتحہ کس لیے؟ کیا انہیں ہمارے ہاتھوں کی احتیاج ہے ہم کیا اور ہماری دعائے مغفرت کیا! ہم تو خود ان کے محتاج ہیں ہماری مغفرتیں ان کی بدولت ہوں گی ــــــــ

ملک صاحب حیران رہ گئے ــــــــ میں نے قبر سے ٹکٹکی باندھ رکھی تھی میں کہہ رہا تھا۔

فاطمہؑ (سلام اللہ علیہا) تو اب بھی کربلا ہی میں ہے تیرے باپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے تجھے اب تک ستایا ہے تیری کہانی زخموں کی کہانی ہے تو نے کعبۃ اللہ میں باپ کے زخم دھوئے تھے کربلا میں تیری اولاد نے زخم کھائے کوفہ میں تیرا شوہر امت کے زخم کھا کے واصل بحق ہو گیا تیرے ابا کی امت نے تیری اولاد کو ہمیشہ ستایا ہے آج چودہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں تیری اولاد قبروں میں بھی ستائی جا رہی ہے پورا عرب تیری اولاد کی قتل گاہ ہے تیرے اباؐ نے کہا تھا،

فاطمہؑ! میری رحلت کے بعد جو مجھے سب سے پہلے ملے گا وہ تو ہو گی تو ان کے پاس چلی گئی محمدؐ کا گھرانا اب بھی کربلا میں پڑا ہے جو لشکر و سپاہ اور تاج و کلاہ کی تلواروں سے بچ رہے تھے ان کی قبریں قتل کر دی گئی ہیں اپنی قبر کے قتل پر مجھے رونے دے تو اس قبر میں ہے اور میں تیرے سامنے زندہ

ہوں" مجھے اپنی زندگی ایک فعل عبث محسوس ہو رہی ہے تیرے مرقد کے ذرّے تمام کائنات کے مروارید سے افضل ہیں ان میں مہر و ماہ سے بڑھ کر درخشانی ہیں لیکن زمانہ نے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اس کا شیشۂ دل حمیت و غیرت سے خالی ہو گیا ہے؟

میں لوٹ کے آیا کمرہ بند کیا اور لیٹ گیا میں ——— میں نہیں رہا آنکھیں بھر گئی ہیں آنسو ہیں کہ پلکوں پر اٹکے ہوئے ہیں۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چاروں نمازیں مسجد نبویؐ میں پڑھیں، روضۂ اقدس پہ حاضری دی' سارا دن ملول رہا رات بھر بستر پر کروٹیں لیتا رہا، نیند اُڑ چکی تھی اور میں یہی سوچ رہا تھا کہ عربوں کے پاس زبان کی نخوت کے سوا کچھ نہیں رہا ماضی کا کھنڈر رہ گیا ہے لیکن وہ شرف قطعاً نہیں رہا جو ان کے ماضی کی سب سے بڑی میراث ہے۔

رات تابہ کمرا پہنچی تو آنکھ لگتے ہی ایک عجب دنیا میں کھو گیا۔ جنت البقیع کا پورا ٹکڑا ایک فردوس تھا ایک ایسا چمن کہ دیکھا نہ سُنا کوثر و تسنیم کی موجیں اچھل اچھل کر روشوں کو نہلا دھلا رہی تھیں شاخوں پر وہ پھول تھے کہ کرۂ ارضی کے پھول ان کی اُترن نظر آتے ان کے رنگ ان رنگوں سے جو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہیں مختلف، جاذب اور خوش منظر تھے وہاں کی رعنائیاں، ہماری رعنائیوں سے بالکل جدا گویا ارضی کائنات کی رعنائیاں ان کے عشر عشیر کا عکس ہیں ایک نورانی جزیرہ ہے جس میں فضیلتوں کے آبشار بہہ رہے ہیں اُحد سونے کا پہاڑ ہے اس کے دامن میں شہدا کی جھیل ہے، اس جھیل میں چاندی کا پانی بہہ رہا ہے اور سونے کی موجیں اُچھل رہی ہیں یاقوت کے کنارے اور ان پر نیلم کی دھاریاں ہیں رحمت کے بجرے ہیں شفاعت کا سائبان ہے جس درخت

تلے بیت رضوان ہوئی تھی اس کے چپو ہیں حوریں اڑتی پھر رہی ہیں اور غلمان حاضر خدمت ہیں امہات المومنین کے حجرے ہیروں کی گندھاوٹ سے تیار ہوئے ہیں حیا کی چار دیواری سے عفت کے موتی ڈھلک رہے ہیں حضرت خدیجہ امہات المومنین کی صدر نشین ہے حضورؐ کے الفاظ میں وہ کائنات کی دو افضل ترین عورتوں میں سے ایک ہیں مریمؑ اور خدیجہؓ (بخاری و مسلم، جبرئیل امین انہی کے لیے بشارت لائے تھے کہ انہیں جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی خوشخبری سنا دیجئے جو موتیوں کا ہوگا اور وہاں کوئی شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی حضورؐ فرماتے ہیں۔

جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہؓ نے میری تصدیق کی،
جب لوگ کافر تھے وہ سلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں
نے میری مدد کی، میری اولاد انہی سے ہوئی۔

وہ کرۂ ارضی کی پہلی عورت تھیں جس نے وحی اوّل کے وقت اپنے عظیم الشان شوہر سے کہا تھا۔

آپؐ متردد نہ ہوں خُدا آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا

وہ نبوّت محمدؐ کی پہلی مصدّق تھیں وہ پہلی شریک نماز اور پہلا مقتدی تھیں۔

آج صبح فاطمہؓ کے مزار پر گم سم کھڑا سن رہا تھا اُم المومنین کہہ رہی ہیں "اے **اہلِ عرب**، حیا کرو میری نور چشم کے مرقد سے یہ سلوک کر رہے ہو اس کے باپ نے تمہیں شرف بخشا اور خیر الامم بنایا تھا۔

حضرت سودہؓ آیۂ حجاب کے جلو میں تھیں حضرت عائشہؓ کا حجرہ حضورؐ کا مدفن مبارک ہے عائشہ ہی کے سینہ پر سر رکھ کے حضورؐ نے وفات پائی تھی انہی کی بدولت خدا'

نے تیمم کا حکم صادر کیا حضورؐ کے مرض الموت میں مسواک چبا کر انہی نے دیا تھا، ان کا باپؓ دنیا میں تیسرا مسلمان تھا اور غار حرا میں وہ کا دوسرا جو صدیقؓ کے لقب سے ملقب ہوا جو خلافت الٰہی کا پہلا فرماں روا تھا آج جنت البقیع میں اس کی بیٹی، حضورؐ کی بیٹی حضورؐ کی بیوی اور ہماری ماں ایک بے نام و نشان قبر میں استراحت پذیر ہیں حضرت حفصہؓ صائم النہار اور قائم اللیل تھیں عمرؓ کی بیٹی اور رسولؐ کی ان بیوی کا مزار بھی اس شرعی سنگینی کا شکار ہے حضرت زینبؓ ام المساکین کی لحد اپنی کنیت کا عکس ہے حضرت ام سلمہؓ کا بچھونا حضورؐ کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا ابو لبابہ کی توبہ قبول ہوگئی تو ان ہی کے حجرے میں وحی اُتری تھی غزوہ خیبر میں شریک تھیں حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھیں حجۃ الوداع میں ہمراہ رہیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد خواب دیکھا کہ رسولؐ اللہ نہایت پریشان ہیں سر اور ریش گرد میں اٹے ہوئے ہیں پوچھا یا رسولؐ اللہ کیا حال ہے ارشاد ہوا مقتل حسینؓ سے آرہا ہوں آنکھ کھلی تو آنسوؤں کا سیل تھا فرمایا:

"اہل عراق نے حسینؓ کو قتل کیا خُدا ان کو قتل کرے حسینؓ کو ذلیل کیا خُدا ان پر لعنت کرے۔"

ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی جنت البقیع میں دفن ہوئیں انہی خستہ حال قبروں میں ایک قبر ان کی بھی ہے۔ حضرت زینبؓ بنت حجش اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتیں اور فقراء و مساکین میں لٹا دیتی تھیں حضورؐ کی پھوپھی زاد تھیں جنت البقیع کے ویرانے میں وہ بھی سو رہی ہیں حضرت جویریہؓ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی اور میر امم کے حرم کا چراغ تھیں ان کی آخری آرام گاہ بھی اسی ویرانہ میں ہے حضرت ام حبیبہؓ امیر معاویہ کی بہن تھیں ان کے باپ ابو سفیان فتح مکہ سے پہلے ان کے گھر میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بچھونے پر بیٹھنا چاہا آپ نے بچھونا اُلٹ دیا باپ نے بگڑ کے کہا بچھونا اس قدر عزیز ہے فرمایا رسولؐ اللہ کے فرش پر کوئی مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔ روایت ہے کہ مدینہ میں حضرت علیؓ کے مکان میں آپ کی قبر تھی لیکن علیؓ کا مکان نہ رہا یہ قبر کہاں رہتی؟ رہے نام اللہ کا، حضرت میمونہؓ کا انتقال سرف میں ہوا حضرت ابن عباس نے جنازہ پڑھایا جنازہ اٹھا تو حضرت ابن عباسؓ بولے یہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا جنازہ ہے با ادب اور آہستہ چلو حضرت صفیہؓ عاقل افضل اور حلیم تھیں (اسد الغابہ)، وہ غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر آئی تھیں سرکار دو عالمؐ کے حرم میں داخل ہوگئیں ایک دن آبدیدہ تھیں حضورؐ تشریف لائے سبب پوچھا فرمایا کہ صفیہؓ و عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم ازواج میں افضل ہیں ہم آپؐ کی زوجہ ہونے کے علاوہ چچا زاد بھی ہیں حضورؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون میرے باپ موسیٰ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔

جنت البقیع ان گیارہ میں سے نو کی آخری آرام گاہ ہے لیکن حکمرانوں کی شرعی خشونت کا شکار، رسولؐ اللہ کے اہل بیت رسولؐ کی اولادیں رسولؐ کے ساتھی، رسولؐ کے جانثار رسولؐ کے جانشین رسولؐ کے فدائی حتیٰ کہ رسولؐ کو گود میں کھلانے والی حلیمہ سعدیہ یہاں اس طرح لیٹی ہوئی ہیں جس طرح گمنام ادیبوں کے ادھورے مسودوں پر عبارتیں قلم کی کثر بیونت سے دم توڑ دیتی ہیں۔

میں رات بھر انہی خوابوں کے جزیرے میں پھرتا پھراتا رہا آنکھ کھلی تو مسجد نبویؐ کا موذن پکار رہا تھا ——— الصلوٰۃ خیر من النوم

(نیند سے نماز بہتر ہے)

کیا یہ واقعہ نہیں کہ نیند سے نماز بہتر ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے جو لوگ اپنی صبح کا

آغاز اللہ کی بڑائی سے کرتے ہیں ان کی رات اتنی طویل کیوں ہو گئی ہے؟

معاً ملک عباس نے جگا دیا —— ان کے ہمراہ مسجد نبویؐ چلا گیا نماز پڑھی، حضورؐ کی چوکھٹ پر پہنچا آنکھوں میں بدلیاں اُتر آئیں وہاں کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ نہ سکا، یہ تاب ہی کہاں تھی کہ عرض کروں بارگاہ رسالت میں حاضری بھرنا سعادت دارین سے کم نہیں لیکن حضوری پانا تسخیر کونین سے بھی زیادہ ہے ملک عباس اسطوانہ عائشہؓ پر بیٹھ گئے میں باب جبرئیل سے نکل کر جنت البقیع میں چلا گیا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی بارگاہ تک پہنچا قبریں جاگ رہی تھیں مسافر سو رہے تھے، ماں حسنؓ سے کہہ رہی ہیں، نور نظر تجھ پر کیا بیتی؟

وہ کہتے ہیں:

"ماں وہی جو اہلبیت کے دشمن طے کر چکے تھے میں نے نانا ابّاؐ کی امت میں خون خرابہ روکنے کے لیے خلافت چھوڑ دی لیکن جن کے دلوں میں ہمارے لیے بُغض تھا کسی طرح راضی نہ ہوئے میری بیوی جعدہ بن اشعث نے مجھے زہر دیا جس سے قلب و جگر کٹ گئے میں نے روضۂ نبیؐ میں دفن ہونا چاہا مروان تلوار لے کر کھڑا ہو گیا اعلان کیا کہ نانا کے پہلو میں نواسہ دفن نہیں ہوگا اب ماں کا دامن ہے اور میں ہوں۔"

زین العابدین دادی اماں سے کہہ رہے ہیں:

"نانا ابّا کی امت میں ہم پر سلام بھیجنے والے اتنے شقی القلب نکلے کہ خاندان رسولؐ مار ڈالا مجھے تین سو اشرفی کے لالچ میں باندھ کر ابن زیاد کے حوالے کر دیا ابا جان کا سر کاٹنے سے پہلے اصرار کیا کہ حسینؓ جلدی کرو، نماز کا وقت ہو رہا ہے —— اور وہی قوم ہمارا کلمہ پڑھتی اور ہم پر درود

بھیجتی ہے۔"

باقرؒ ابا سے کہہ رہے ہیں:

"دادا ابا شہید ہوتے تو میں اس وقت تین برس کا تھا۔"

امام حسینؓ نے کہا:

"تیری بیٹی کے بیٹے اور میرے بھائی کے پوتے ہم پہ جو بیت گئی پہاڑوں پر بیتتی تو ان کا پتہ پانی ہو جاتا لیکن موت نے بھی معاندوں کے دلوں کی سنگینی کو —— کم نہیں کیا۔"

جعفر صادقؒ نے کہا:

"دُنیا کسی کے موافق ہوتی تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دے دیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔"

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ نے کہا:

میرے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جگر پارو! تمہارے ساتھ ان کے اُمتیوں نے جو سلوک کیا وہ میرے اندازہ میں تھا میں نے علیؓ سے کہا تھا خاندان عبدالمطلب کے چہرے موت کے وقت شگفتہ ہو جایا کرتے ہیں رسولؐ اللہ کا عالم رخصت ہے آؤ ان سے پوچھ لیں۔

میرا اندیشہ یا اندازہ درست نکلا آل رسولؐ شہید کی گئی جب تک وہ زندہ رہے معاندوں کی تلواریں نیام سے باہر رہیں وہ رحلت کر گئے تو ان کے قلم تلوار ہو گئے اب ان کے لیے کوئی نیام نہیں۔

اس وقت میں تنہا تھا پندرہ منٹ اسی سوچ میں مستغرق رہا آخر ہچکی بندھ گئی۔

آنسوؤں کی بوندا باندی موسلا دھار ہو گئی، میں ڈھائیں مار مار کے رونے لگا وہ سپاہی جو باہر کھڑا تھا اندر آ گیا اس نے کہا،

شیعہ؟ مڑ کے دیکھا تو مدینہ یونیورسٹی کا ایک طالب علم کہہ رہا تھا —— موحد

سپاہی نے کہا —— طیب! رُح رُح اور چلا گیا،

وہ طالب علم غالباً مطیع الرسولؐ تھا جو مدینہ یونی ورسٹی کے پاکستانی طلبہ کی طرف سے دعوت دینے ڈھونڈتا ڈھانڈتا یہاں آ گیا اور مجھے اس حالت میں پا کر خود آبدیدہ تھا میں نے اس سے کہا ان عربوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ان مزارات کی بے حرمتی کا نام ان کے نزدیک قرآن و سنت ہے! کیا انہیں روحوں کے اس سفینے کی عظمت کا اندازہ نہیں؟

اُس نے کہا جذبات ہر مسلمان کے یہی ہیں اور جو مسلمان عقیدتوں کے آبگینے لے کر باہر سے آتا ہے اس کو ایسی ہی ٹھیس لگتی ہے لیکن آل سعود کی فرماں روائی سے پہلے بدعت، گمراہی اور شرک انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

میں نے مطیع الرسولؐ کی بات کاٹتے ہوئے کہا منطق کے ڈھیر الگ کیجئے سوال اتنا ہے کہ اُس بدعت اور اِس شدت میں کیا رشتہ ہے گمراہی کو روکنے کی آڑ میں بے حرمتی جائز ہے؟ کیا عشق کا نام عربوں کی لغت میں شرک ہے؟ یا ان کے ہاں سرے سے یہ لفظ ہی موجود نہیں ان کے دل ابھی تک بنو امیہ ہیں۔

میں عربی سے واقف ہوتا تو کوہ صفا اور جبل احد پر کھڑے ہو کر پکارتا۔

"اے محمدؐ کے ہم وطنو! تم نے جنت البقیع میں ہل پھروا کر ہمارے دل کے شیشے توڑ دیئے ہیں اور اب ان میں کوئی صدا باقی نہیں رہ گئی ہے!

قصرِ حجاز میں طلبہ کا ایک جمگھٹ ہو گیا کئی لوگ میری حاضری کا سن کر چلے آئے اور دعوتیں دینے لگے میں ان سے معافی چاہ رہا تھا کوئی عذر کارگر نہ ہوا تو میں نے عشاء کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کا وعدہ کیا اور وادیٔ احد کی طرف چلا گیا جبل احد مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ہے حضورؐ نے فرمایا تھا جبل احد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے۔ یہ ہم سے محبت کرتا اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں آل عمران کی دو سو آیتیں بدر و احد کے عواقب و نتائج پر بحث کرتی ہیں اور اس کے بیس رکوع بدر و احد کا حالہ کئے ہوئے ہیں صحیح بخاری کے باب غزوہ احد میں ہے کہ آیت "ولا تھنو ولا تحزنو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" (گھبراؤ اور ڈرو نہیں تمہی غالب رہو گے جب تک کہ مومن ہو) عین غزوہ احد ہی میں نازل ہوئی اب بھی جبل احد یہی سبق دیتا ہے ——

انسان حاضر ہوتے ہی محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک عظمت کے سامنے کھڑا ہے، خوف بھی ہے لیکن ایسا خوف جو کسی عظمت کے جلال سے پیدا ہوتا ہے دل کشی بھی ہے جو حسن کا قدرتی مطالبہ ہے شہادت کی آب و تاب اسی طرح جھلکتی ہے حضورؐ نے اس پر کھڑے ہو کر اسے ایک ایسی عظمت بخش دی ہے کہ دل خود بخود اس کی طرف کھچا جاتا ہے یہیں آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور یہیں وہ غار ہے جہاں آپؐ نے چوٹ کھانے کے بعد آرام فرمایا تھا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زخم دھوئے اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر ان میں راکھ بھری تھی یہی وہ جگہ ہے جہاں اسّی صحابہؓ شہید ہوئے اور حضورؐ کے گرداگرد جانیں نچھاور کی تھیں یہیں لشکر اسلام کو شکست ہونے لگی تو حضورؐ کی دعا نے اسے فتح میں بدل دیا تھا اس کی تاریخ کا پہلا دن ۳ ہجری کے شعبان کی پندرہ تھا جب قریش مکہ تین ہزار کا لشکر لے کر نکلے اور مقابلہ میں صرف سات سو مسلمان تھے عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھی لے کر الگ ہو گیا تھا کہ محمدؐ نے ہماری بات نہیں مانی ہم اس کا ساتھ نہیں دیں گے اسی جنگ میں

عتبہ کی بیٹی ہندہ، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی ام حکیم، خالد کی بہن فاطمہ بنت ولید، مسعود ثقفی رئیس طائف کی بیٹی برزہ، عمرو بن عاص کی زوجہ ریطہ، مصعب بن عمیر کی ماں خناس لشکرِ قریش کے ہمراہ بدر کا بدلہ چکانے آئی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف قریش کے غضب کو بھڑکا رہی تھیں ان کا نغمہ تھا کہ ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں ہم قالینوں پر چلنے والی ہیں بڑھ کے لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی پیچھے ہٹو گے تو الگ ہو جائیں گی انہی کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ پائنچے چڑھائے مشکیزے بھر بھر کے لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ حضرت ام عمارہؓ حضورؐ پہ کافروں کا وار روکتیں اور ڈھال بنی ہوئی تھیں۔

اُحد تلواروں کے ٹکراؤ سے گونج رہا تھا سپاہی کا فرض ہے کہ نیزے کو خون سے رنگ دے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کفار پر ٹوٹ پڑے تھے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر ڈالا حضرت حنظلہؓ ابو سفیان کو ہلاک کیا چاہتے تھے کہ خود شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر رسول اللہؐ کے مشابہ تھے ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے! افواہ پھیل گئی کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں علیؓ صفیں الٹتے جا رہے تھے عمرؓ نے بد دل ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑ کر کیا کریں ابن نضرؓ نے کہا ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ اور شہید ہو گئے ان کے جسم پر اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت کعبؓ نے چہرہ رسالتؐ دمکتا پایا تو پکار اٹھے، اے وابستگان رسالتؐ محمدؐ زندہ اور وہ سامنے ہیں بس جانثاروں نے کفار پہ ہلہ بول دیا۔ گھمسان کا رن پڑا دشمن لرز گئے لیکن کفار سرکش تھے اور اس قافلہ رسالتؐ کو مٹانے پہ تلے ہوئے تھے حضورؐ نے غضب ناک ہو کر فرمایا:

"وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبرؐ کے کو لہو لہان کرتی ہے۔"

حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کے اس جملہ پر کہ سب مر گئے للکار کے کہا کہ او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں اسی احد کے دامن میں زمین سے دو زینے بلند اور پہاڑ سے ڈھیروں نیچے حضرت امیر حمزہؓ، عبداللہ بن جحش اور مصعب بن عمیرؓ کی قبریں ہیں لیکن آلِ سعود کی شرعی یلغار نے ہموار کر دی ہیں، یہیں ہندہ نے حضرت امیر حمزہؓ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبایا اور مثلہ کیا تھا۔ انہی شہداء کے فراق میں مدینہ اشکبار تھا ہر گھر سے چیخیں آ رہی تھیں انہی چیخوں پر حضورؐ نے کہا تھا:

"آہ! حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں!

ہندہ نے تو حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا لیکن انہوں نے حمزہؓ کی قبر چبا ڈالی ہے مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن جحش دفن ضرور ہیں لیکن وہ قبریں نہیں ان کا سایہ ہیں عرب کہتے ہیں کہ یہاں امیر حمزہؓ دفن ہیں یہ عبداللہ بن جحشؓ یا مصعب بن عمیرؓ کی قبریں ہیں اور اکثر شہداء اسی مٹی میں سو رہے ہیں ہم ان کے حافظہ پر اعتماد کرتے اور سر جھکاتے ہیں۔ کہ احد کا یہ میدانی ٹکڑا ۸۰ صحابہؓ میں سے بیشتر کی خواب گاہ ہے۔

پاکستانی فوج کے چیف آف سٹاف جنرل عبدالحمید یہاں آئے احد دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھے جس کرماغ نے چودہ سو سال پہلے احد کے اس پہاڑ سے مدینہ کا دفاع کیا اور کفار کی چار گنا فوج کو شکست دی تھی وہ شہ دماغ قدرت کا معجزہ تھا اس زمانہ میں جب آج کی عسکری سائنس کا وجود تک نہ تھا یہاں سے قریش مکہ کو شکست دینا عسکری نقطہ نگاہ سے واقعی معجزہ تھا اور جب جنرل عبدالحمید سے حجاز ریڈیو کے نمائندے نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک سب سے بڑا جرنیل کون ہے؟ جواب دیا جس نے یہ مورچہ قائم کیا اور مٹھی بھر

انسانوں سے دشمن پر فتح حاصل کی ۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کیا بڑی بات کہی ہے کہ

"اے اُحد تجھ پر سلام تو نے لغت کو شجاعت کے بے شمار الفاظ دیئے ہیں :"

وہ میدان جہاں شہدا دفن ہیں وہاں کچھ سیڑھیاں دے کر سیمنٹ کا دائرہ بنایا گیا ہے بس یہی علامت ہے کہ یہاں شہدائے احد دفن ہیں یا پھر عقب میں ایک چھوٹا سا چشمہ ہے اس کا پانی پتھروں کے ایک پہلو سے نکل کر دوسرے پہلو میں چلا جاتا ہے ایک چھوٹا سا حوض ہے جہاں تھوڑا بہت پانی ہر لحظہ جمع رہتا لوگ آتے اور تر ہوتے ہیں پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہے ۔

حضورؐ نے فرمایا تھا احد پہ آؤ تو اس کے درخت سے خواہ وہ درخت خاردار ہی کیوں نہ ہو کچھ ضرور کھاؤ لیکن احد اسی طرح ننگ سلطانی کے اغماض کا شکار ہے جس طرح اور آثار ہیں کوئی نشان یا کتبہ نہیں اور یہ تو پورے حجاز میں ہے جہاں تہاں سے سلام اٹھا اور پھیلا وہ جگہیں خود بولتی ہیں کہ ہم فلاں ہیں ——————— حالانکہ اس وادی کے چپہ چپہ کی نشاندہی ہونی چاہیئے کیا انہیں قائم رکھنے یا قائم کرنے سے کوئی دوسری عبادت گاہ بن جائے گی ؟ یہ کوئی عذر نہیں بلکہ عذر لنگ ہے عربوں کو جس تاریخ پر ناز ہے بلکہ جس تاریخ نے انہیں شرف بخشا وہ کعبۃ اللہ اور حرم نبویؐ ہیں یا پھر یہ مقام جنہیں غزوات نبیؐ نے دوام بخشا اور کفار مکّہ ڈھیر ہوگئے "تاریخ کے یہ پڑاؤ اس طرح نہیں رہنے چاہئیں کہ علم کے اس زمانہ میں مٹ جائیں آخر عرب شہزادے یورپ میں گھومتے پھرتے ہیں وہاں کیا نہیں کرتے اور کیا نہیں لاتے کیا وہاں نہیں دیکھتے کہ فرانس نے اپنے شاہوں کی قتل گاہیں تک محفوظ کی ہوئی ہیں روما نے وہ تماشا گاہ محفوظ کر لی ہے جہاں

شاہان روم وحشت کے دور میں درندوں سے انسانوں کی چیر پھاڑ کا تماشہ دیکھا کرتے تھے برلن میں روس نے اپنی فتح کی عظیم الشان یادگاریں قائم کی ہیں انگلستان ندامت کا گھر ہے وہ اپنے شاہوں کی پرانی یادگاریں سینے سے لگاتے بیٹھا ہے شاہ کا محل اور وزیر اعظم کا مکان نہیں بدلا کہ اس کی پرانی تاریخ ہے جو ماضی کو حال سے ملاتی ہے کیا یہ چیزیں عبادت گاہیں بن گئی ہیں ! جب ان لوگوں نے جو قرآن کے نزدیک مضل و مغضوب ہیں اپنے تاریخی سرمایہ کو عبادت گاہ نہیں بنایا تو مسلمان جن کی تربیت توحید و رسالت کی آب ہوا میں ہوتی ہے ان آثار قدیمہ کو عبادت گاہ بنالیں گے ؟ جہاں بیت اللہ اور گنبد خضریٰ ہوں وہاں اور کون سی جگہ جبین نیاز کی سجدہ گاہ ہو سکتی ہے لوگوں کی کجروی اور گمراہی کا علاج یہ نہیں کہ وہ چیزیں اسلئے مٹا دی جائیں کہ عوام الناس بہ الفاظ شریعت شرک کرتے ہیں کسی نے انگور اور کھجور کو مٹایا ہے کہ لوگ اس سے شراب کشید کرتے ہیں ۔

جدہ کو جدید اور ریاض کو جنت بنانے والے مکّہ میں آکر آستین چڑھا لیتے اور مدینہ میں جاکر پائنچے اونچے کر لیتے ہیں ۔ انہیں اپنے نفس میں نواہی محسوس نہیں ہوتے ۔

احد کو عربوں نے نہیں قرآن نے زندہ رکھا اور حضورؐ نے جاوداں کیا ہے وہ غزوات پیغمبرؐ کی متاع عظیم ہے ، عربوں نے اس سے وہی سلوک کیا ہے جو ابن قمیئہ نے مصعبؓ سے کیا تھا انہیں یاد نہیں رہا کہ حمزہؓ کی شہادت پر رسولؐ اللہ کو کتنا قلق ہوا تھا ، مصعبؓ ہم شبیہہ رسولؐ تھے اور عبداللہ بن حجشؓ کو رسولؐ اللہ نے احد میں کھجور کی چوبی عطا کی ——— جو ان کے ہاتھ میں تلوار ہوگئی تھی ! کیا انہیں بھول گیا ہے کہ عائشہؓ نے یہاں مشکیزے بھرے تھے ، فاطمہؓ نے یہاں باپ کے زخم دھوئے تھے

علیؓ نے یہاں تلوار کے جوہر دکھائے تھے یہ اصحابؓ رسولؐ کی شہادت گاہ ہے اُس صحابیؓ کی جانثاری یاد ہے جس نے کھجوریں کھاتے کھاتے رسول اللہؐ کی اس صدا پر کہ شہادت مقصود و متاعِ مومن ہے کفار مکہ پر بجلی کی طرح جھپٹ کر داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ جہاں ابوسفیان عمرؓ کے پتھراؤ کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا تھا جہاں ابوبکرؓ حضورؐ کے حجلۂ جنگ کی دربانی کر رہے تھے جہاں حضورؐ کی پھوپھیؓ نے اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کی نعش دیکھ کر صرف انا للہ کہا تھا اور کفن کے لیے دو چادریں دی تھیں اور ان میں دو صحابیؓ کفنائے گئے تھے جہاں مصعبؓ کے کفن کی چادر اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے ان کے پاؤں پر گھاس ڈالی گئی تھی عربوں کے دامن میں اس کے سوا کیا ہے؟ شاید انہیں احساس نہیں رہا کہ ان کے چشمے خشک ہو چکے ہیں اب ان کی نمائندگی ام کلثوم کی آواز کرتی ہے ——————

طاؤس و رباب آخر۔

احد سے ہو کر مسجد قبا چلا گیا حضورؐ نے فرمایا تھا یہاں دو رکعت ادا کرنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے —————— یہاں باہر ایک کنواں ہے اسے بئرِ رس اور بئرِ خاتم بھی کہتے ہیں بئرِ خاتم اس لیے کہ عثمانؓ کے ہاتھ سے اس میں انگشتریٔ نبوت گر گئی تھی خاتم کے معنی انگوٹھی کے بھی ہیں اور بئر کے معنی ہیں کنواں حضورؐ اس کے من پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ساتھ تھے۔ مسجد غمامہ روضۂ اطہر کے مغربی جانب ہے غمامہ کے معنی ہیں بادل، حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے تمازتِ آفتاب کی روک کے لیے ان پر بادل کا سایہ کر دیا تھا مسجد شمس میں حضورؐ علیؓ کے زانو پر سر رکھ کے آرام کر رہے تھے کہ عصر کا وقت نکل گیا حضرت علیؓ نماز قضا ہونے پر آبدیدہ ہو گئے حضورؐ کے چہرہ اقدس پر آنسو گرے آنکھ کھل گئی، سبب پوچھا علیؓ نے عصر نکل جانے کا ذکر کیا حضورؐ نے سورج

کو اشارہ کیا تو سورج عصر کے وقت پر لوٹ آیا، علیؓ نے عصر پڑھی اس واقعہ پر اس کا نام مسجد شمس ہو گیا اس کو مسجد الفضیخ بھی کہتے ہیں فضیخ عربی میں کھجوری شراب کا نام ہے شراب کے حرام ہونے کی آیت یہیں نازل ہوئی تھی۔ مسجد فتح یا احزاب جبل سلع کے غربی کنارہ پر ہے —————— اس کے گرداگرد سلمان فارسیؓ نے غزوہ احزاب میں خندق کھودی تھی یہاں حضورؐ کے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ نے خیمے نصب کئے تھے، یہاں ان کے اور فاطمۃ الزہراؓ و سلمان فارسیؓ کے نام پر مساجد بنی ہوئی ہیں یہ مسجدیں بھی شاہی سطوت اور شرعی خشونت کے نرغہ میں ہیں، قریب امریکی طرز کا شاہی محل ہے محل میں بہت بڑا باغیچہ ہے لیکن وہاں شرع مفرور ہو گئی ہے۔

مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں وادیٔ عتیق کی جانب مسجد قبلتین ہے اس کے دو محراب ہیں ایک کعبہ کی طرف ایک بیت المقدس کی طرف بیت اللہ کی طرف نماز کا حکم نہیں ہوا تھا تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ اب اس کی نئی تعمیر ہو گئی ہے جنت البقیع سے مشرقی جانب مسجد صبابہ ہے اب شہید کی جا چکی ہے اس کا کنواں بھی خشک ہو چکا ہے مٹی کا ایک چبوترہ ہے جس پر چند پتھر شاہی جلال پر مسکرا رہے ہیں یہاں حضورؐ نے تین دعائیں کی تھیں (۱) میری اُمت قحط کا شکار نہ ہو (۲) ملت محمدیہ غرق ہو کر تباہ نہ ہو (۳) اس میں باہم نفاق نہ ہو۔ عوالی میں مسجد ابراہیمؑ ہے جہاں حضورؐ کے لختِ جگر سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ جبل احد کے دائیں جانب سڑک پر مسجد ابوذر غفاریؓ ہے حضورؐ نے یہاں دیر تک سجدہ کیا تھا صحابہؓ نے پوچھا تو فرمایا جبرئیل آمین آئے تھے کہا ہے کہ جو مسلمان درود پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گی اور جو سلام پڑھے گا اس پر سلامتی ابوذر غفاریؓ نے یہاں مسجد بنا دی جو ان کے فقر کا عکس ہے۔

غرض مدینہ عہد نبوت کی انہی یادگاروں کا نوادر خانہ ہے مسجدیں ہیں، کنوئیں ہیں اور ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاریخ لگی ہوئی ہے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے مکانات کی صرف نشاندہی ہوتی ہے حضرت علیؓ کے مکان میں اب دارالمطالعہ ہے، خالدبن ولید کا مکان کئی ہیئتوں کی تبدیلی کے بعد شاہ سعود نے ملک غلام محمد کو نذر کیا تھا وہاں اب پاکستانی حکومت کا مہمان خانہ ہے اس مہمان خانہ میں وہی لوگ ٹھہرتے ہیں، جنہیں سفارت خانہ کے دانشوروں کی خوشنودی حاصل ہو اور دانشور دین کے بھگوڑوں کا نام ہے انہیں عقائد سے کم ہی سروکار ہوتا ہے۔

حضورؐ کے والد کا مزار اقدس باب النساء کے ایک محلہ میں واقع ہے اب اس کے دروازے اینٹوں سے چن دیئے گئے ہیں باہر ایک کتبہ آویزاں ہے کہ یہ عبداللہ والد پیغمبر علیہ السلام کا مزار ہے روایت ہے کہ حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہ کا انتقال بھی مدینہ ہی کے حدود میں ہوا تھا ——— جنت البقیع کی چار دیواری کے باہر حضرت عثمانؓ کے مزار سے کوئی پانچ سو فٹ کے فاصلہ پر حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد اور حضرت ابوسعید خدریؓ کے مزار ہیں کئی لوگ جنت البقیع ہی سے اس رخ پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

مدینہ میں نئی چیزیں صرف ہوٹل ہیں حرم کے چاروں طرف یورپی مصنوعات کی لدی پھندی دوکانیں ہیں زرمبادلہ کے بیوپاری ہیں، بیروت کے رسائل و جرائد ہیں، بال کٹائی کے سیلون ہیں، اونٹ غائب ہو چکے اور سیارے اڑے پھر رہے ہیں لیکن چشموں کا پانی کھجوروں کے جھنڈ، انسانوں کی شکلیں اور فضا کا تاثر وہی پرانا ہے ان میں اب تک قرن اول کے معجزوں کی بوباس ہے حضرت عثمانؓ کا باغ محکمہ زراعت کا تجربہ خانہ ہے جہاں اونٹ نہیں

گائیں بکریاں اور مرغے ہیں وہ کنواں جو مسلمانوں کے لیے حضرت عثمانؓ نے بیس ہزار درہم میں خرید کیا تھا شاید انہی دنوں خشک ہو گیا تھا جن دنوں مسلمانوں نے ان کی شہ رگ کا خون لے کر اس احسان کا قرض چکایا تھا۔

عصر سے کچھ دیر پہلے واپس آیا تھوڑا سا آرام کیا اذان سے قبل مسجد نبوی میں چلا گیا پچھلے دو تین دن سے معمول تھا کہ باب عبدالمجید کے پہلے حصہ ہی میں نماز پڑھتا اور حاضری دیتا تھا آج خود ہی تیسرے حصہ میں چلا گیا ملک عباس حسین شیخ ضیاء الدین، فضل حق اور بعض طلبہ نماز کے لیے ہمراہ تھے میرے برابر ہی ایک پاکستانی نوجوان تفسیر پڑھ رہا تھا، نہایت عمدہ چھپی ہوئی تعجب ہوا کہ اردو میں ایسی کوئی تفسیر ہے جو میرے ہاں نہ ہو اس خیال سے کہ نام معلوم ہو میں نے فضل حق سے کہا اس سے پوچھو کہ یہ کس کی تفسیر ہے اور کہاں چھپی ہے؟ اس نوجوان نے جواب دینے کے بجائے سرورق کھول دیا اس پر لکھا تھا تفسیر صغیر از الحاج مرزا بشیرالدین خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہا، میرا اندر ہل گیا کہ یہ تفسیر اور یہاں کسٹم والے جدہ میں کلام مجید کا اردو ترجمہ نہیں دیتے یہ تفسیر یہاں کیسے آگئی؟ اتنے میں نماز کھڑی ہو گئی وہ نوجوان میرے ساتھ ہی کھڑا تھا اور تفسیر اس کے روبرو پیشانی کی جگہ رکھی تھی چار رکعت پڑھتے ہی میں نے محسوس کیا کہ میری نماز مسجد نبوی میں مجروح ہو گئی ہے ایک قادیانی میں اتنا حوصلہ کیونکر پیدا ہوا کہ یہاں نماز پڑھے اور بشیرالدین کی تفسیر لائے ہم نے اس سے کہا ——— تم اور یہاں؟ اور اس پر یہ تفسیر! پہلے تو وہ اکڑ فوں کرنے لگا لیکن جب اس کو معلوم ہو گیا کہ میں کون ہوں تو اس نے ٹانگیں ڈھیلی چھوڑ دیں بہرحال ہم نے پولیس کو بلا کر اس کے حوالے کر دیا۔ پولیس کو مرزا غلام احمد اور اس کی امت کے عقائد و اعمال سے متعلق کچھ معلوم نہ تھا ان کے لیے یہ انوکھی چیز تھی لیکن وہ اتنی سی بات سے اصل حقیقت

تک پہنچ گئے کہ انگریزوں کے عہد میں ایک مغل زادے نے ہندوستان میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس طرح حضورؐ کی ختم المرسلینی کو نقب لگائی ہے اور یہ شخص اس کا پیرو کار ہے اور یہ کتاب اس کے بیٹے کی ہے جو خلیفۃ المسیح کہلاتا ہے۔ پاسپورٹ پر اس کا نام عبدالرحمٰن اختر ولد چودھری مہتاب لکھا تھا پولیس افسر نے پاسپورٹ قبضہ میں لے کر اس کو گرفتار کر لیا۔ پہلے تو اس نے ــــــ پٹھے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا متعدد جھوٹ بولے، میرزائی ہونے سے انکار کیا آخر معلوم ہوا کہ اس کی بہن آمنہ اور اس کی بیوی بُشریٰ یہاں ہسپتال میں نرس ہیں یہاں ان کا پورا طائفہ موجود ہے تب وہاں کوئی صاحب ڈاکٹر فاروق تھے جو ان کے امیر بیان کیے گئے۔ بہر حال مدینہ بھر میں چرچا ہو گیا میرزائیوں نے دوڑ دھوپ کی ان کی پہلی پناہ گاہ ہمارے سفارت خانے ہیں، میں نے مدینہ کے عمائدین سے مل کر ان کا ہر راستہ رکوا دیا۔ حکومت سعود کا اعتراض صحیح تھا کہ جن لوگوں کو آپ کی حکومت بطور مسلمان پاسپورٹ دیتی ہے ہم حرمین میں داخلہ سے نہیں روک سکتے تاہم اس قسم کے افراد کا علم ہو جائے تو نکال دیتے ہیں[1] کچھ دیر حراست میں

---

[1] اس نوجوان نے پولیس سے واویلا کیا کہ شورش کاشمیری ہمارا مطلق دشمن ہے لیکن وہاں سوال ہی کچھ اور تھا بحمداللہ یہ شرف میرے لیے بڑی دولت ہے کہ میں نے رسالتؐ کی باغی جماعت کے ایک فرد کا مسجد نبویؐ میں محاسبہ کیا۔ اس کے بعد حکومت حجاز نے پابندی لگا دی کہ پاکستان و ہندوستان کے حجاج کو ویزا دیتے وقت پوچھ لیا جائے کہ ان کا مسلک کیا ہے جو اپنے تئیں احمدی ظاہر کرے اس کو مطلق ویزا نہ دیا جائے اس کے باوجود کوئی احمدی ثابت ہو تو اسکو اخفاء کے جرم میں سزا دی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پچھلے کئی سال سے احمدی حجاز میں جا رہے اور وہاں رہ رہے ہیں۔ اب یہ برطانوی یا امریکی استعمار ہی بتا سکتا

رہنے کے بعد اس نوجوان کو اس کی بیوی اور بہن سمیت حجاز سے نکال دیا گیا۔ عشق رسولؐ کوئی پہاڑی واعظ نہیں اور نہ بتسمہ لینے کا نام ہے عشق رسولؐ کی اساس ادب پر ہے، کوئی بے ادب بارگاہ رسالتؐ سے فیض نہیں پا سکتا جو شخص جتنا باادب ہوگا، اتنا ہی بارگاہ رسالتؐ سے فیض پائے گا ـــــــ

میرزائیوں نے ظلی و بروزی اصطلاحوں کی آڑ میں اہانت رسولؐ کا جرم کیا ہے اور یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ ہمارے حکمران جو قوم کیا چیز ہے قوموں کی حقیقت کیا ہے" کے معانی و مضمرات سے ناواقف ہیں دین کی اس لم کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ملتیں نبیوں سے تشکیل پاتی ہیں میرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت مسیلمہ کذاب کے فتنے سے کم نہیں افسوس ہے کہ اس زمانہ میں کوئی صدیقؓ نہیں، کوئی عمرؓ نہیں، کوئی عثمانؓ نہیں، کوئی علیؓ نہیں۔ استخفاف نبوت کی حد ہو گئی کہ ایک شخص اور اس کا خاندان جو اپنے ہی الفاظ میں برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے محمدؐ کے گھرانے کے تمام اعزازات لوٹ رہا ہے اور اس کی باز پرس سیاسی مصلحتوں کے بھینٹ چڑھی ہوئی ہے بعض لوگ جو اپنے سیاسی وجود پر حرف ناگوار برداشت نہیں کرتے اس بارے میں رواداری کا سبق دیتے ہیں ـــــــ

خدا کے خوف، پیغمبرؐ کے ناموس، مذہب کی غیرت اور عقائد کے شرف سے ہاتھ اٹھا لینے کا نام رواداری نہیں اور نہ کسی رہزن کو رواداری کے نام پر چھوڑ دینا اسلام یا انسانیت ہے۔

ہے کہ ان کے سپرد کون سا مشن ہے افسوس ہے کہ پاکستان کی وزارت خارجہ ان کے معاملہ میں ضرورت سے زیادہ فیاض واقع ہوئی ہے اور جو لوگ عرب ملکوں میں پاکستان کے سفیر مقرر کیے جاتے ہیں وہ ان کی بابت بہت کم معلومات رکھتے ہیں۔

اگلے روز (۱۲ نومبر) صبح سویرے ملک عباس حسین اپنی گہری یاد چھوڑ کر شیخ ضیاء الدین کے ہمراہ الخبر واپس چلے گئے تھوڑی دیر بعد فضل حق بھی مکہ روانہ ہوگیا، میں اکیلا رہ گیا لیکن مدینہ یونیورسٹی کے پاکستانی طلباء دن چڑھے آگئے ان سے عرب ممالک کے موجودہ حالات پر گفتگو ہوتی رہی بعض ایسے پہلو معلوم ہوئے کہ ہمارے یہاں کے لوگ بالکل ناواقف ہیں.

ہمارے دانشوروں کو بھی اس کا علم نہیں وہ تمام طلبا جو مجھے ملنے آئے اور وہ لوگ جو یہاں کاروبار یا ملازمت کرتے ہیں ان سے کئی چیزیں معلوم ہوئیں اُن طلبہ سے حجاز میں بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن ہمارے سفارت خانے صاحب لوگوں سے پُر ہیں ان کے افسران اعلیٰ یقیناً عربی نہیں جانتے اور جتنی عربی جانتے ہیں ریاض یا جدہ جاکر سیکھتے ہیں اور وہ معمولی شد بد ہوتی ہے ان طلبہ کو اس لیے درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا کہ عربی کے طلبہ ہیں اور ان کے ساتھ کیمبرج یا آکسفورڈ نہیں ورنہ ان کی ذہانت ان کی قابلیت اور ان کا علم ہمارے پاکستانی صاحبوں سے بہت آگے ہے ان طلبا کا حال یہ ہے کہ ہر سال مدینہ یونیورسٹی کے مختلف درجات میں اول آتے ہیں تمام طلبہ کو حکومت حجاز کی طرف سے علاوہ دوسرے اخراجات کے لگ بھگ سو ریال جیب خرچ ملتا ہے جو طلبہ مجھے ملے ان سب کے نام تو یاد نہیں رہے لیکن بعض نام ان کی غیر معمولی ذہانت کے باعث حافظہ میں رہ گئے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن ناصر جو اس زمانہ میں مسجد نبویؐ پر مقالہ لکھ رہے تھے انہیں نے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز سے ملاقات کا انتظام کیا اور ترجمان کے فرائض انجام دیئے، حافظ محمد امین زاہد کامونکی کے نوجوان ہیں مخلص وفہیم، خالد خلیل نعمانی کراچی سے تھے اور زبان وادب کے نبض شناس، محمد عثمان حیدرآبادی ذوق وشوق کے نوجوان تھے، مطیع الرسول علوی وفا وعلم میں ڈھلے ہوئے تھے، حبیب احمد جمالی ہندوستان میں غالباً بجنور کی جماعت اسلامی کے

امیر کے بیٹے ہیں ذہین وفطین، ادب کے علاوہ تاریخ پر بھی نگاہ رکھتے تھے، ان کے علاوہ مدینہ میں سیالکوٹ کے دو کاروباری نوجوانوں سے ملاقات ہوئی ایک محمد خورشید بیگ دوسرے محمد اشرف۔ دونوں خوبیٔ اخلاق کا نمونہ تھے ایک اور نوجوان سید احمد مدنی صدر بزم اردو اپنی وضع قطع سے عرب معلوم ہوتے تھے انہوں نے کھانے پر مدعو کیا ان کے ہاں اردو کے رسائل وجرائد اور کتابوں کا ایک منتخب اور محدود ذخیرہ تھا، جس سے پاکستان اور ہندوستان کے طلبہ مستفید ہوتے تھے افسوس کہ حال ہی میں ان کا انتقال ہوگیا وہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آرہے تھے کہ ان کے موٹر کی بس سے ٹکر ہوگئی اور رحلت کر گئے. انا للہ وانا الیہ راجعون.

ان طلبہ میں نوے فی صد دیوبند کے مدرسہ فکر کی مختلف شاخوں سے متاثر تھے لیکن عربوں کے حالات اور سوشلزم کے نتائج نے جنہیں وہ تمام دعراق اور مصر وسوڈان میں دیکھ آتے تھے اتنا جھنجھلا دیا تھا کہ انہیں اپنے مدرسہ فکر کے اُن علماء کی روش پر حیرت تھی جو عربوں کی اشتراکی ریاستوں اور پاکستان کے اشتراکی ذہنوں کی پشت پناہی کر رہے تھے. یہی سبب تھا کہ مجھ سے یونیورسٹی میں سوشلزم کے موضوع پر تقریر کرانے پر مصر تھے اور میں نے انہیں اگلے روز گیارہ بجے صبح کا وقت دیا تھا. کسی نے بتایا کہ مولانا ظفر احمد انصاری مؤتمر اسلامی کے اجلاس میں آئے تھے مدینہ حاضری دے کر لوٹ رہے تھے کہ انہیں ایکا ایکی عجیب سی بیماری ہوگئی یعنی گلا کام نہیں کر رہا. میں فوراً ان کے ہاں پہنچا وہ برابر ہی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے گلے لگایا لکھ کر بات کرتے رہے ان کے چہرے مہرے سے اطمینان ہوگیا کہ بیماری ضرور ہے لیکن ان کی صحت کو بفضل تعالیٰ کوئی خطرہ نہیں. ان سے بات چیت کر کے لوٹا تو ہوٹل کے منتظمین سے معلوم ہوا کہ حرم نبویؐ کی انتظامیہ کے مدیر ڈائریکٹر سید احمد

بن محضار العطاس المدنی میری تلاش میں تھے میں ان کے ہاں پہنچا باب صدیق کے اُوپر ان کا دفتر ہے دیکھتے ہی پہچان گئے ،

"مولانا! آپ کہاں ہیں ہم نے تو سارا مدینہ ڈھونڈ لیا ہے حضرت پیر گولڑہ شریف کے دو تار آ چکے ہیں کہ ہمارے دوست شورش کاشمیری عمرہ کے لیے آئے ہیں انہیں ملئے۔"

ان کے اخلاص نے دل موہ لیا، میزبانی پر مصر تھے میں نے بہ منت منوا لیا کہ جہاں ٹھہرا ہوں ٹھیک ہے مجھ سے وعدہ لیا کہ کل رات ان کے ہاں کھانا ہوگا اور یہاں میرے جو ملنے والے ہیں انہیں ساتھ لاؤں ، سب کو دعوت ہے کچھ دیر اُن سے باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ (گولڑہ شریف) سے جو نہیں ملا وہ ان کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا وہ قرن اوّل کے صحابہؓ کی تصویر ہیں یوں کہیئے کہ اس زمانے میں عثمانؓ کی سخاوت اور علیؓ کے فقر کا نمونہ ہیں یہ ان کی ذرہ نوازی تھی کہ میں مدینۃ النبیؐ میں حرم نبویؐ کا مہمان ہوگیا ، یعنی میرے میزبان سید احمد بن محضار العطاس المدنی عضو ادارۃ الحرم الشریف النبویؐ تھے ــــ حضورؐ نے ایک ننگ خلائق کو اتنا شرف بخشا کہ جو ان کا دربان تھا وہ میرا میزبان اور میں ان کا مہمان ـــــــ وہ رب ہی ہے جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے یہ وہ مرتبے اور لذتیں ہیں کہ نہ تو ہر شخص کو ملتی ہیں اور نہ ہر شخص جانتا ہے ، جس ذرۂ حقیر کو بارگاہِ ایزدی سے نوازا جائے اور اس پر حضورؐ کی چشم کرم ہو وہی ان رتبوں سے بہرہ یاب ہوتا اور ان عزتوں سے آخرت کا توشہ سمیٹتا ہے ـــــــ کوئی وریاں موتی لے تریاں ۔ (ہر غوطہ زن کو موتی نہیں ملتا کوئی ایک کامیاب ہوتا ہے)

میرا معمول تھا کہ اوقات نماز کے علاوہ دن میں کئی کئی مرتبہ حرم نبویؐ میں حاضری بھرتا ریاض الجنت میں ایک ایک ستون کے سامنے کھڑا ہوتا جہاں جہاں حضورؐ نماز پڑھتے رہے

وہاں وہاں سجدے کرتا۔ ایک دن ریاض الجنت کی صفوں کے تمام مصلّوں پر سجدے کئے آرزو یہ تھی کوئی ایسی جگہ نہ رہے جہاں حضورؐ اور صحابہؓ کی جبین جھکی ہو یا پاؤں لگے ہوں اور میرا ماتھا چھونے کی لذت سے رہ جائے ـــــــ

میری حالت یہ تھی کہ پاگلوں کی طرح پھرتا جذب وسلوک کے معاملات عجیب ہیں میں فقر و تصوف کی رمزوں سے آشنا نہیں اور نہ یہ دولت ہر شخص کو ملتی ہے اور نہ ہماں شماں ان راستوں سے گذر سکتے ہیں ان منزلوں کو وہی لوگ قطع کرتے ہیں جو نفس کو مارتے اور تجلیات عشق میں تحلیل ہو جاتے ہیں میں اس انسان کی طرح تھا جو حسرت تعمیر کے سوا کچھ نہیں رکھتا یا اس بڑھیا کی طرح تھا جو سوت کی اٹی لے کر یوسف کی خریداری کو نکلی تھی ـــ میرے اندر کے ولولے اتنے از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ دیوانگی نے فرزانگی کو شہ مات دے کر مجھے جذب دروں بخشا اور لذت جنوں سے مالا مال کر دیا تھا عثمان ہارونیؒ یاد آرہے تھے رقص کا عالم تھا

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بہ آں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم
بگیرد مرکز خود صورت پرکار می رقصم

۱۳ ار کی صبح کو دس بجے مدینہ یونیورسٹی گیا ، وہاں سب سے پہلے یونیورسٹی کے چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز سے ملا یونیورسٹی نہایت پرشکوہ ہے اور اس کی تعمیر سے جامعاتی وجاہت کا اظہار ہوتا ہے۔ چانسلر کا دفتر دوسری منزل پر ہے اور بہت بڑا دفتر ہے۔ تمام دفتر میں سر بسر قالین بچھا ہوا ہے ، فرنیچر شاہانہ ہے طلبہ بلا روک ٹوک آتے جاتے ہیں شیخ اپنے میز کی

کرسی پر نہیں بلکہ صوفہ پر بیٹھتے ہیں ان کے ساتھ ہی ملاقاتیوں کے لیے صوفوں کی ایک لمبی قطار ہے الشیخ طلبہ کی ضرورتوں پر فوراً احکام لکھواتے اور دفتری کاغذات کا جواب دیتے ہیں ان کا پرسنل اسسٹنٹ ایک چابکدست عرب نوجوان ہے، کوئی کاغذ یا درخواست معلق نہیں رہتی۔

شیخ عبدالعزیز بن باز علاقہ نجد کے ہیں وہ ایک معمولی خاندان سے اس مقام تک پہنچے ہیں، پورے حجاز میں ان کے پایہ کا کوئی عالم نہیں وہ علم دین کی ہر خصوصیت میں کامل دستگاہ رکھتے اور اپنے شخصی و علمی محاسن کی وجہ سے نجد و حجاز کی محبوب ترین شخصیت ہیں انہیں عوام کے دلوں پر حکمرانی حاصل ہے ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ شاہ فیصل عمر میں بڑا ہونے کے باوجود انہیں والد کی طرح سمجھتے اور اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ ان کے لکھے ہوئے کو فرمان شاہی کا درجہ دیتے ہیں حجاز میں کوئی شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ پروانہ راہداری کے بغیر نہیں جا سکتا لیکن بن باز کے دستخطوں کا اتنا احترام ہے کہ کسی کو خالی کاغذ پر دستخط کر دیں تو کوئی بڑے سے بڑا افسر بھی اس کو روک نہیں سکتا وہ پیدائشی نابینا ہیں لیکن قدرت نے انہیں دیدۂ بینا دیا ہے سارا حجاز ان کا گرویدہ ہے وہ ابتداءً سعودی عرب کے مشرقی صوبے میں چیف جج مقرر ہوتے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی حجاز میں بڑے بڑے عہدے شاہی خاندان یا شاہی قبیلہ کو دیئے جاتے ہیں لیکن شیخ کی علمی وجاہت اور شخصی عظمت کی بے پناہی تھی کہ انہیں یہ مقام حاصل ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پورے حجاز کے نائب مفتی، حکومت کی مجلس شوریٰ کے رکن اور سپریم کورٹ کے جج بنائے گئے۔ مدینہ یونیورسٹی بنی تو اس کے وائس چانسلر مقرر ہوئے چانسلر کی وفات پر ان کے جانشین ہو گئے ان کے اس مقام و مرتبہ اور عزت و عظمت کا بڑا سبب ان کی بے نفسی، تجرد پنی اور

فقر و استغنا ہے سعودی حکومت کے اعضاء و جوارح متمول ترین افراد ہیں جو شخص بھی حکومت سے منسلک ہے اس کے پاس کم سے کم ایک آدھ کئی کئی منزلہ عمارت ضرور ہے لیکن شیخ بن باز کا ذاتی مکان بھی کوئی نہیں ان کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار ریال ہے شاہ کی طرف سے انہیں گراں قدر تحائف ملتے رہتے ہیں لیکن ان کی دریا دلی کا یہ حال ہے کہ سب کچھ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں ان کے دستر خوان پر روزانہ بیس پچیس مہمان ضرور ہوتے ہیں ان کے ہاں سے کوئی سائل کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ان کا اپنا لباس تیس روپے کی مالیت سے زاید کا نہیں۔ دس پندرہ روپے کی ثوب (لمبی عربی قمیص)، پانچ سات روپے کے غترے، (سر کا لمبا رومال)، چار چھ روپے کی شپ شپ (ربڑ کی جوتی)، اور دس بارہ آنے کی چھڑی خاص مجالس میں ایک معمولی مشلح (لمبی عربی عبا) پہن لیتے ہیں۔

عبدالرحمٰن عسکری نے میرا تعارف کرایا انگریزی حکومت سے لے کر ایوب خاں کے عہد تک کی قید و بند کا ذکر کیا تو بہت مسرور ہوئے فرمایا:

"ہمیں ایسے جری انسان سے مل کر خوشی ہوئی ہے ہمیشہ اللہ والے ہی باقی رہتے ہیں وہ لوگ جو نام و نمود پہ مرتے اور اقتدار و جاہ کے لیے جیتے ہیں آخر کار ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے بہادر اور جری آدمی کو ہمیشہ اللہ والوں سے تعلق رکھنا چاہیئے۔"

میں نے شیخ سے مشرق وسطیٰ کی جنگ کے نتائج پر پاکستانی نوجوانوں کے ردعمل کا ذکر کیا اور بتایا کہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی نئی پود برگشتہ ہوئی ہے کہ جب اسلام کے مولد کی حالت یہ ہے تو اسلام کہاں رہ جاتا ہے۔

انہوں نے کہا آپ کا مقصود عالم عربی نہیں محمدؐ عربی ہیں عربوں کی اجتماعی سیرت کا بھی

وہی حال ہے جو دوسرے ملکوں میں عام مسلمانوں کا ہے عربوں میں ایمان و اسلام کی خرابی حکام کی وجہ سے آئی ہے اور اب یہ خرابی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ نئی نسلیں توحید و رسالت سے ہاتھ اٹھا چکی ہیں اس تباہی کا باعث عرب خود ہیں۔ جس چیز کی اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے تلقین کی اور دعوت دی ہے وہی ان میں نہیں رہی۔ اسلامی اقدار ان کے وجود سے نکل چکی ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ پانی میں کوئی چیز گھل گھل کے ایک قطرہ رہ جائے اور ہم اسی پر قانع ہوں ——— عرب خدا و رسولؐ کی تعلیمات سے آزاد ہو کر برطانیہ کی سیاست فرانس کی ثقافت، امریکہ کی دولت اور روس کی رفاقت کے باعث تباہ ہوئے ہیں۔

کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کا ذکر آگیا تو فرمایا جو لوگ اللہ کے باغی، رسولؐ کے باغی، مذہب کے باغی اور اخلاق کے باغی ہیں ان پر قہر سلطانی ہو تو یہ لوگ سدھر سکتے ہیں ورنہ یہ دیمک کی طرح نئی پود کے ذہن کو چاٹ رہے ہیں میں نے شیخ کو قادیانی مسئلہ کے سیاسی پہلو سے آگاہ کیا اور اس بارے میں تفصیلاً روشنی ڈالی کہ یہ لوگ مسلمان ممالک میں استعماری طاقتوں کے جاسوس ہیں۔ شیخ نے بڑی توجہ سے تمام باتیں سنیں، فرمایا یہ پہلو ایسے ہیں کہ انہیں قلمبند کریں اور مجھے بھجوا دیں ہم آپ کے بڑے ممنون ہوں گے کیونکہ یہ پہلو ہمارے لیے نئے ہیں اور عرب حکومتوں بالخصوص حجاز کی حکومت کو اس کا علم یا اندازہ نہیں ——— آپ نے لکھا تو ہمارے لیے مفید و کارآمد ہو گا۔

شیخ بن باز کے بعد نچلی منزل میں شیخ عمر (یونیورسٹی کے اسسٹنٹ جنرل سیکرٹری) سے ملاقات ہوئی ان سے بھی اس موضوع پر کچھ دیر باتیں کیں بہت خوش ہوئے، جامعہ کے ہال میں برِّعظیم پاک و ہند کے طلبہ کو خطاب کیا انہیں خوشی ہوئی یہ بات ممالک غیر میں جا کر معلوم ہوتی ہے کہ اپنے ملک سے ملک والوں کو کتنی محبت ہوتی ہے میں نے اسرائیل

کے متعلق پاکستانی عوام کے جذبات کا تفصیل سے ذکر کیا کچھ عرب طلبہ بھی موجود تھے ان تفصیلات کے ترجمہ سے انہیں خوشی ہوئی تقریر ختم ہونے پر شرق اردن کا ایک طالب علم میرے پاس آیا کہنے لگا میں اپنی تحریک کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں میرا تعلق وہاں کے فدائیوں سے ہے میں نے کہا آج سارا دن مشغول ہوں آپ کل صبح قصر حجاز میں چلے آئیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر سیدھا ہوٹل پہنچا کچھ دوست مولوی محمد صدیق کے ہمراہ دار الحدیث کی طرف سے دعوت دینے آئے تھے کہ وہاں عشاء کے بعد سوشلزم کیا ہے اور کیا نہیں! کے موضوع پر تقریر کروں۔ جتنے پاکستانی مدینہ طیبہ میں رہ رہے تھے یا اس دن حاضر تھے ان میں سے اسّی فی صد تقریب میں شامل ہوئے میں نے سوشلزم کی تاریخ بیان کی اور مسلمان ملکوں میں اس کے متنوع برگ و بار کا جائزہ لیا یہ تقریب بھی صبح کی تقریب کے مانند خوشگوار رہی سامعین نے بڑے تپاک کا اظہار کیا یہاں تقریب کے بعد ایک مجلس جم گئی اور ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ہمارے علم میں کم ہوں گی لیکن وہاں بعض واقفان حال کے نوک زبان تھیں۔ اور وہ اس تیقن سے بیان کر رہے تھے، جیسے خود ان میں سے گزر رہے بلکہ ان کا شکار ہیں مثلاً

(۱) حجاز میں فیصل کی حکومت کو جو خطرہ ہے وہ مصر سے ہے شاہ سعود نے ان مصریوں کو حجاز سے نکلوا دیا جو مدتوں سے یہاں رہ رہے اور ان کے رشتے ناطے یہاں ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں خیال تھا کہ حکومت حجاز سے مخلص نہیں ہیں ہوا یہ کہ جن کے ننھیال یا ددھیال چلے گئے ان کی اولادیں رہ گئیں اب وہ اولادیں جوان ہو چکی ہیں انہیں مصری پیوند کی وجہ سے شدید احساس ہے کہ سعودی حکومت سے پہلے وہ حجاز میں کار مختار تھے، اب ان کی جگہ دوسرے لوگ آگئے ہیں شاہ سعود نے پاکستان سے خاصے روابط قائم کیے تھے، نتیجتہً حجازی فوج کی تربیت کے لیے پاکستانی فوج کے افسر بلوائے گئے اس طرح معاشیات

کے نظام میں اصلاح و ترقی کیلئے بھی پاکستان ہی کے لوگ گئے سرکاری بنک کے گورنر مسٹر انور علی پاکستان کے ہیں اپنے کام میں انتہائی زیرک اور انتہائی مخلص، انہوں نے سعودی حکومت کے مالیات کو ایک نہج اور ایک نظم دیا ہے۔ حجاز میں اور کئی جگہیں ہیں جہاں پاکستان کے ڈاکٹر، نرسیں، انجنیئر، صنعت کار، حرفت کار وغیرہ کام کرتے ہیں لیکن عرب نیشنلزم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ عوام میں ایک عرب کی بات دوسرے عرب کے لیے عوامی تحریک بن جاتی اور جلد کارگر ہوتی ہے۔

۲۔ شاہ سعود کی فرماں روائی سے پہلے حکومت کا دفتری کاروبار مصریوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ کئی پشتوں سے یہاں آباد ہو گئے تھے اب انخلاء و سبکدوشی کے بعد وہ سب عرب نیشنلزم کو ہوا دیتے ہیں۔

۳۔ چونکہ اکثر عرب ریاستیں جمہوری یا اشتراکی نظام کی زد میں ہیں ان کی تعلیم و سیاست، حجاز سے زیادہ عوامی ہے اور آئے دن کی حکومتی تبدیلیاں عوام کے متحرک مزاج سے موافقت رکھتی ہیں، لہذا فطرت انسانی کی اس خواہش کے مطابق کہ وہ حکومت میں بار بار تبدیلی چاہتی ہے حجاز کے عوام بھی اس رو سے الگ نہیں۔

۴۔ کمزور معیشت کی عرب ریاستیں حجاز کی دولت پر للچائی ہوئی نگاہ رکھتی ہیں اشتراکی و استعماری ذہن اس کی دینی مرکزیت کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا اور اس کو عملاً ختم کر دینے کا خواہاں ہے اسرائیل گویا انکی اس ضرورت یا خواہش کا مظہر ہے شاہ فیصل کو بجا طور پر شکایت ہے کہ اسرائیل کے خلاف عربوں کی جہادی تنظیموں اور مصر کی حکومت کو جتنی امداد حجاز نے دی ہے وہ اکثر و بیشتر حجاز ہی کے خلاف استعمال ہوئی ہے یمن کو حجاز کے خلاف بھڑکانے میں ناصر کا ہاتھ تھا اور جو اسلحہ یمن میں استعمال ہوا وہ روسی ساخت کا تھا حجاز میں یہ بات حق الیقین

کا درجہ رکھتی ہے کہ روس کا اسلحہ اسرائیل کے خلاف نہیں حجاز والوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے اور روس اسرائیل کے بجائے حجاز والوں کو سمیٹنا چاہتا ہے یعنی وہاں بھی اشتراکی نظام قائم کرنے کا متمنی ہے ان ہی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ یمن کی حجاز سے لڑائی ہوتے ہی حجاز کے مصری ہوا باز ایئر فورس کے جہاز اڑا کر قاہرہ بھاگ گئے تھے۔

۵۔ بادشاہت کو عوام پر اعتماد نہیں اس کی ایک وجہ حجاز کے لوگوں کا ناخواندہ ہونا اور اس کے باشندوں کا ایک مخصوص مزاج ہے یہ کہنا کہ وہاں کوئی جمہوری نظام مفید ہو سکتا ہے ان لوگوں کی فطرت و مزاج کے خلاف ہے اور نہ اس نظام کی توثیق ان کی تاریخی سرشت کرتی ہے انہیں بہر حال ایک ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو انہیں قابو میں رکھ سکے۔

۶۔ واقعہ یہ ہے کہ حجاز میں قہر سلطانی کے باعث جرائم بہت کم ہیں کوئی ڈاکہ نہیں۔ قتل و غارت نہیں، اس طرح کا ہنگامہ نہیں جو یورپ اور ایشیا کی جمہوری مملکتوں کا روزمرہ ہو چکا ہے۔ ہر بڑے جمہوری ملک میں گناہ کے دلال، شراب و شاہد کے بازار لگا کے بیٹھے ہیں۔ لیکن حجاز میں اس کا تصور ہی نہیں، رہا چوری چھپے کا سوال تو انسانی نفس کا شر ہر جگہ موجود ہے حجاز اس سے منزہ نہیں تو لوٹ بھی نہیں، دبدبہ سلطانی نے جرائم کی ہڈیاں توڑ دی ہیں اور جو مرتکب ہوتے وہ سخت سزا پاتے ہیں۔

۷۔ حجاز رحمت و برکت کا خطہ ہے اس کی دولت و معیشت بڑی وسیع ہے تیل نے اس کی آمدنی کو بے پناہ کر دیا ہے اس کے علاوہ سونے کی بعض کانیں بھی ملی ہیں بہت عمدہ پتھر نکلا ہے جس سے اینٹیں اور چونا تیار ہوتا ہے حجاج ہر سال قربانی کرتے اور لاکھوں جانور ذبح ہوتے ہیں لیکن ان کا گوشت اور کھالیں قریب قریب ضائع ہو جاتی ہیں حکومت گوشت کو محفوظ کر سکتی اور ان ملکوں کو بھیج سکتی ہے جہاں غذائی مسئلے حل کرنے کے لیے

امریکی امداد جاتی ہے اس کے علاوہ کئی قسم کی ملیں لگائی جاسکتی ہیں لیکن حکومت اس طرف توجہ نہیں کرتی ایک تو وہ اس قسم کی چیزوں کو اپنی ضرورت سے زائد سمجھتی ۔ دوسرے ایسے لوگوں کے "فسادی" ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔

۸ ۔ عربوں کے پاس کوئی شخصیت صفِ اول کی نہیں بالخصوص کوئی ایسا مسلمان راہنما نہیں جس کا مطمعِ نظر صرف اسلام ہو اور جس کی ذات یا شخصیت عربوں کے قلوب کو متاثر کر سکے پچھلی کئی صدیوں سے انہوں نے کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں کیا ان کے بوڑھے ماضی میں زندگی بسر کر رہے اور ان کے جوان مستقبل کی خاطر اس ماضی سے بغاوت کر چکے ہیں۔

۹ ۔ اب تک عراق، شام، عدن، یمن، لبیا، سوڈان، الجیریا، مصر، صومالیہ اور گنی کی حکومتیں اشتراکی ہو چکی ہیں صرف حجاز، کویت، اردن، تیونس، مراکش اور موریطانیہ غیر اشتراکی ہیں اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ان پر کیا افتاد آئے گی بہرحال اردگرد کی اشتراکی ریاستیں اور اندر خانہ کا ففتھ کالم ان ممالک کے سکون کو ختم کئے بیٹھا اور اشتراکیت مسلط کرنے کے درپے ہے۔

۱۰ ۔ عربوں کا تاریخی شرف ختم ہو گیا ہے وہ ان کا ماضی تھا ان کا حال اس کے الٹ ہے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ نئی یلغار کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں گے۔

۱۱ ۔ عربوں کے ذہنی بیت الخلاء کا نام بیروت ہے ان کے نئے فکری سوتے پہلی جنگ عظیم کے بعد یہیں سے پھوٹے ہیں اور عرب نیشنلزم کی ابتدا یہاں سے ہوئی ہے لبنان میں برابر برابر کی مخلوط آبادی عالمی طاقتوں کے ڈرامہ کا اسٹیج ہے عرب امراء یہاں عیاشی کے لیے اور استعماری کھلنڈرے جوڑ توڑ کے لیے آتے ہیں امریکہ کے مختلف دفاتر یہاں سے حکومتوں کی خرید و فروخت کرتے اور امریکن یونیورسٹی بیروت نئی نسل کی تطہیرِ دماغ

BRAIN WASHING کا "فرض" ادا کرتی ہے عجیب بات ہے کہ استنبول اور قاہرہ میں بھی امریکن یونیورسٹیاں موجود ہیں مراکو میں ایک امریکن کالج ہے۔

۱۲ ۔ عرب نیشنلزم کی تحریک کے ذہنی راہنما عیسائی اور ان کے بھائی ہیں انہی کی چھاپ پہلی جنگ عظیم سے عربوں کے دماغوں پر لگی ہوئی ہے مثلاً صحافت جو اس زمانے میں خیالات کو الٹنے پلٹنے کا سب سے موثر ہتھیار ہے اس کا قائد جرجی زیدان عیسائی تھا۔ ادب میں خلیل جبران ہمارے ہاں بھی آپہنچا ہے، لبنان کا عیسائی تھا اسی نے کہا تھا کہ قرآن کی ادبی زبان کا جواب دیا جاسکتا ہے اور وہ (نعوذ باللہ) الہامی خرافات کا مجموعہ ہے جارج حبش امریکن یونیورسٹی کا فارغ التحصیل اور وہیں استاد رہا ہے اُس نے عربوں کی اشتراکی نسل تیار کی ہے۔ نائف حواتمہ شرقِ اردن کا عیسائی قانون دان اور اشتراکیت کا مبلغ ہے اس کا نصب العین عربوں میں حرمین شریفین کے خلاف تحریک پیدا کرنا اور مسلمانوں کو ان کے شرف سے محروم رکھنا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ:

"حرمین شریفین مغربی استعمار کے اڈے، مذہبی خرافات کا مرکز، مذہبی سامراج کا نشان اور عربی قومیت کے منافی ہے جب تک یہ ختم نہ ہوں گے فلسطین حاصل کرنا ناممکن ہے۔" طارق علی پال سارتر کے مقلد کی حیثیت سے انہی اشتراکیوں کا پاکستانی گماشتہ ہے۔

۱۳ ۔ عربوں میں مذہبی انہماک نہیں رہا گو ان کا عمومی مزاج اب بھی مذہبی ہے لیکن جس طرح ہمارے ہاں شعائر اسلام کی حفاظت کی جاتی ہے وہ عربوں کے تعزیری مزاج سے خارج ہو چکی ہے مثلاً مصر نے حجاز سے کشمکش کے دوران آبِ زمزم روک دیا ہفتہ وار صباح الخیر نے لکھا کہ زمزم میں مکہ بھر کی گندگی ہوتی ہے اس میں زہر بھر چکا ہے، ایک دوسرے ہفتہ وار روزالیوسف نے لکھا کہ لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد ناقابل استعمال پایا۔

گیا ہے۔ مصر کے ایک ناول نگار احسان عبدالقدوس نے ناول لکھا ہے جس میں زمزم کی تضحیک کی ہے۔ ایک دوسرے ہفتہ وار "مسا" نے جس کی نہاد اشتراکی ہے حضورؐ کے خلاف کارٹون شائع کیا پاکستان میں اس طرح کی حرکت ہوتی تو وہ اخبار اور مدیر دونوں موت کے آغوش میں جا چکے ہوتے۔

۱۴۔ سلطان عبدالعزیز کے ۳۲ بیٹے تھے ان بیٹوں کی بے شمار اولاد ہے، سینکڑوں شہزادے ہیں اور سب کسی نہ کسی عہدہ پر متعین ہیں ہر صوبہ کا گورنر انہی بھائیوں میں سے ہے فوج کا یہ حال ہے کہ پاکستان سے جو لوگ انہیں تربیت دینے گئے ہیں ان کی روایت کے مطابق وہ فوج سے زیادہ موج پر یقین رکھتے ہیں وہ اللہ کی اس زمین سے تنخواہ پاتے ہیں۔ لیکن اس کی حفاظت اللہ پر چھوڑ رکھی ہے کہ اللہ نے خود قرآن میں اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ نوّے فی صد عوام ناصری ہیں۔

۱۵۔ عربوں کو شکایت ہے کہ عجم کی بعض مسلمان ریاستیں یا ان کے بعض مذہبی ادارے عالمی استعمار کے لگے بندھے اور ان کے تلب کا ناسور ہیں وہ انہیں مختلف استعماری طاقتوں کا ایجنٹ خیال کرتے ہیں مثلاً ایران کے بہائی اور پاکستان کے قادیانی، بہائی ان کے نزدیک فری میسنری ہیں اور فری میسن یہودیوں کی تحریک ہے انہیں ترکی سے اب تک رنجش ہے حالانکہ ترک عوام سلام سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں ان کی رنجش کسی ملک کے عوام سے نہیں حکمرانوں سے ہے یا اس ملک کے سیاسی رہنماؤں سے مثلاً ان کا یہ گلا دلچسپ ہے کہ عصمت انونو کی ماں اور بیوی دونوں یہودی تھیں۔ ماں نے تو سلام بھی قبول نہیں کیا تھا ان کا خیال ہے کہ طہران میں ساٹھ فی صد یہودی تجارت کنٹرول کرتے اور مختلف حیثیتوں سے وہاں موجود ہیں ان کے خیال میں حبشہ کے بعد ایران

پہلا مسلمان ملک ہے جس نے یہودیوں کو اپنے ہاں بلا کر آباد کیا ہے یہ باہمی تعلقات میں کشیدگی کی زبان ہے یا اس میں کوئی حقیقت ہے؟ بہر حال یہ گلے موجود ہیں۔ ان کی اطلاع کے مطابق حبشہ میں تین ہزار اور لائبیریا میں چار ہزار یہودی ایکسپرٹ موجود ہیں جو گرد و گرد کی سلامی ریاستوں کے وجود کو ہلانے میں مشغول ہیں اور اشتراکی انقلاب کو انہی سے آب و دانہ مل رہا ہے۔

ایک عرب طالب علم نے بتایا کہ مصر میں روس نے مختلف ڈیمز وغیرہ بنانے کے لیے جو ٹیکنیشن بھیجے ہیں ان چالیس ہزار میں سے سویلین کے روپ میں نصف ملٹری ایکسپرٹ ہیں اور ان میں پچیس فی صد یہودی ہیں، یہی وجہ ہے کہ روس فوجی امداد کے نام پر اڈے بناتا اور اسرائیل تباہ کر جاتا ہے روسی فوج کا چیف آف دی سٹاف مارشل زخوروف نسلاً یہودی ہے اسرائیل کا پہلا وزیر اعظم بنگورین روس کا یہودی تھا۔

۱۶۔ میرے اس استفسار پر کہ قادیانی اسرائیل کس پاسپورٹ پر جاتے ہیں۔ ایک صحافی نے بتایا کہ روم / قبرص یا لیبیا کے راستے کیونکہ ان ملکوں میں قادیانی جماعت کے نہایت پراسرار مراکز ہیں۔

۱۷۔ ایک عرب شیخ جن کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ تاریخ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں نے بیان کیا کہ سلامی دنیا اس وقت کن مار آستین فرقوں کا شکار ہے، انہوں نے کہا ایران میں بہائی، ترکی میں دونمہ، شام میں نصیری و دروزی، مصر میں قبطی (واضح رہے ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں صحرائے سینائی کا راکٹ اسٹیشن انہی کے فرائض میں تھا) عراق میں فری میسنری اور پاکستان میں قادیانی اصل سلام کے خلاف زبردست تحریکیں ہیں۔ ان سب کا مقصد محمد عربیؐ کے سلام کو تہس نہس کرنا ہے ان کے خیال

میں سر ظفر اللہ، ایم ایم احمد اور ڈاکٹر عبدالسلام فری میسنری میں۔ فری میسنری یہودی سرمایہ داروں کا ادارہ ہے مختلف ممالک میں اس کا کام اقتصادی اور سیاسی بدحالی پیدا کرنا اور استعماری طاقتوں کی رضا پر چلنا اور اپنی رضا پر چلانا ہے قادیانی افریقہ میں اپنی ریاست بنانے کی کوشش میں ہیں۔ نائجر ساحل العاج اور لائبیریا میں انہیں پورا پورا نفوذ حاصل ہے۔ دونمہ کے متعلق شیخ کا بیان تھا کہ ترکی فوج میں ان کا رسوخ ہے اور وہ کوئی ۶۵ فی صد ہیں واللہ اعلم، لیکن ترکی کے اسرائیل سے رابطہ قائم کرنے کی ایک وجہ یہی دونمہ ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ ارمنی لڑکیاں استعماری مقاصد کی پشت پناہ ہیں جو فوج والوں کے عقد یا متعہ میں رہتی ہیں، افریقہ کی مسلم ریاستوں کے جو سربراہ مارے گئے، قید ہو گئے یا جلاوطن ان میں اسرائیل کی سازشوں کا باقاعدہ دخل ہے۔ تنزانیہ میں چالیس ہزار مسلمان عرب مارے گئے اس خون ریزی میں حبشہ، قبرص اور اسرائیل کا ہاتھ تھا۔

شام، اسرائیل اور لبنان کے درمیان پہاڑیوں کے سلسلے کا نام دروز ہے وہاں کے باشندوں کو اس رعایت سے دروزی کہتے ہیں۔ یہ لوگ حسن بن صباح کی تحریک کے باقیات یا قرامطہ وغیرہ کی ذریات میں سے ہیں۔ انہی دروزیوں میں سے پچپن (۵۵) فی صد اسرائیل کے فوجی ہیں۔ ادھر شام کی فوج میں عملاً ان دروزیوں ہی کی بالادستی ہے اسی باعث شام اسرائیل کے خلاف نہیں لڑا لیکن شرق اردن میں شاہ حسین کے خلاف ہنگامہ فرسائی میں بالواسطہ اور بلاواسطہ شریک ہوتا ہے لبنان میں بھی دروزی اثر موجود ہے دروزیوں کو یاد ہے کہ ان کی شرارتوں کے باعث صلاح الدین ایوبی نے انہیں کچلا تھا۔ اب شام کی اشتراکی حکومت نے صلاح الدین ایوبی کی قبر پہ نپولین کی پلیٹ

لگا دی ہے نپولین نے صلیبی جنگوں کے اس فاتح کی قبر پر پاؤں رکھ کے کہا تھا:

"صلیبی جنگوں کا ہیرو کہاں ہے؟ ہم آج اس کا انتقام لینے آئے ہیں۔"

یہ قبر دمشق میں جامع اموی کے پاس محلہ الظاہریہ میں ہے دروزیوں کے متعلق کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اپنی بہن سے بھی شادی کر لیتے ہیں مصر میں قبطی اثرات خاصے ہیں فری میسنریوں کے بعد قبطی ہی طاقت ور ہیں کہا جاتا ہے کہ فوج کی بعض کلیدی آسامیاں ان کے پاس ہیں اور اکثر قبطی عیسائی ہیں۔

۱۸۔ غیر ملکی طاقتوں نے عربوں کو جس طرح خوار و زبوں کیا ہر کسی کو معلوم ہے اب عربوں کی شکلیں مسلمان ہیں، عقلیں گمراہ ہو چکی ہیں یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ملکوں کے نظامہائے حکومت میں عموماً ان اقلیتوں کے افراد کلیدی عہدوں پر فائز ہیں ـــــ جنہیں مسلمانوں کے سواد اعظم سے کوئی تعلق یا رابطہ نہیں وہ اپنے مخصوص عقائد رکھتے اور عملاً اسلام سے کنارہ کش ہیں اور جو مسلمان ہیں وہ مغرب کے زیر اثر تجدد پسند ہیں۔ جہاں اشتراکی دروزی، نصیری، قبطی اور حلولی ہیں وہاں اس سے مختلف نتائج پیدا نہیں ہو سکتے جو اب پیدا ہو رہے ہیں بلکہ ان کا وجود ہی ان نتائج کے لیے ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس قوم سے وہ لوگ کیونکر اٹھے جو پوری انسانیت کا امنی ہیں اور اب اس قوم کی مٹی اتنی بانجھ کیوں ہو گئی ہے کہ صدیوں سے ان کے ویرانہ میں کوئی رونق نہیں، کوئی ایسا چہرہ نہیں ابھرتا جو انہیں اور اس کائنات کو دگرگوں کر دے کتنا شاندار زمانہ چھوڑ کر یہ قوم کس زمانہ میں آ گئی ہے کہ اس کی شجاعت کا درخت سوکھ کر ٹھنٹھ ہو گیا ہے۔

رات حضرت سید احمد بن محضار العطاس المدنی کے ہاں کھانے پر گیا تو میرے سامنے عربوں کی روائتی مہمان نوازی کا پورا دستر خوان تھا ان کے تینوں بچے حسن، سہیل اور شرف باپ کی تصویر ہیں ہم میں خاصی دیر تبادلہ افکار ہوتا رہا۔ وہ خود دلگیر تھے کہ مسلمانوں کی عمارت منہدم ہو گئی ہے لیکن وہ نا امید نہیں تھے انہیں ہر خطرہ کا احساس تھا لیکن ہر خطرہ کے علاج سے نابلد تھے۔ کسی عرب میں مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس کے لیے وہ اضطراب نہیں جو ہمارے ہاں اس قسم کے حادثوں میں ایک تحریک یا احتجاج کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ خطیبوں کی یہ قوم اور لسان و بیان کے یہ السان درو کے اجتماعی اظہار سیاست کے منظم ولولے اور عوامی مظاہروں کے مزاج سے بالکل بے بہرہ ہیں ان میں جلسہ جلوس اور احتجاج کے ادارے ہی نہیں۔ سب کچھ اللہ پر چھوڑ رکھا ہے پہلے وہ اللہ کے لیے تھے اب اللہ ان کے لیے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
اور کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

رات کافی گذر چکی تھی حضرت مدنی کے دولت کدہ سے واپس آ کر بستر پر اس طرح لیٹ گیا جس طرح نگہ انتظار تھک کے رہ جاتی اور دل ٹوٹ کے مرجھا جاتا ہے

خدا سے دعا کرتا رہا کہ اے اللہ عربوں کے ماضی کو رسوا نہ کر یہ رسوا ہو گئے تو ان کا وہ شرف مٹ جائے گا جو کل انسانیت کا نصف بہتر ہے۔ ان کی عقلیں کوتاہ ہو گئی ہیں انہیں جلا دے، ان کے نفس گمراہ ہو گئے ہیں انہیں سچا کر۔ ان کی ہمتیں تھک گئی ہیں انہیں توانا کر، ان کے جام خالی ہو گئے ہیں انہیں بھر دے،

ان کی تلواریں زنگ کھا گئی ہیں انہیں صیقل دے، ان کے پاؤں ٹوٹ گئے ہیں انہیں رفتار دے، یہ مٹ گئے تو مغضوب و معتل بنیں گے کہ سورہ فاتحہ کے آخری بول ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکے ہیں۔

مدینہ میں ایک صاحب ہیں شاہ دین کوئی بیس پچیس سال پہلے حج کے لیے گئے روضہ اقدس پر حاضر تھے، جی میں لہر اٹھی وہیں رہ گئے اور وہیں کے ہو گئے۔ لاہور میں ان کے اعزہ واقربا رہتے ہیں تھوڑی بہت زمینداری ہے ان کے بیٹے اخراجات بھیجتے رہے پھر انہیں منع کر دیا کہ یہاں مجھے نوکری مل گئی ہے کوئی روپیہ پیسہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

میں صبح ہونے سے دو تین گھنٹے پہلے روضہ اقدس سے نکل کے ہوٹل جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

شورش صاحب — شورش صاحب

مڑ کے دیکھا تو ادھیڑ عمر کے ایک بزرگ چلے آ رہے ہیں میں رک گیا انہوں نے کہا:

یہ پاس ہی میرا مکان ہے۔ میرے ساتھ ایک پیالی چائے پی لیں اس وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس وقت اگر چائے پی تو پھر نیند نہیں آئے گی ابھی تھوڑی سی دیر میں فجر کی اذان ہو گی اور مجھے دوبارہ آنا ہے انہوں نے اصرار کیا اور کہا میرا مکان خالد بن ولید کے مکان کا سامنے ہے چلیے مجھے خوشی ہو گی ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ نے جس عشق اور ہمت کا ثبوت دیا ہے میرے دل میں اس کی بڑی قدر ہے میں ان کے ساتھ ہو گیا اور وہ مجھے اپنے مکان میں لے گئے بالکل باب النساء کے سامنے پاکستان ہاؤس کے ساتھ ہی ان کا مکان ہے

فوراً ہی بجلی کے چولہے پر چائے تیار کی ان کے پاس بے شمار ریکارڈز، ٹیپ ریکارڈز اور گراموفون پڑے تھے ان میں بیسیوں قاریوں کی آوازیں محفوظ ہیں کہنے لگے :

یہ چائے تو محض بہانہ تھا، آپ کو ایک چیز دینا ہے سمجھتا ہوں کہ آپ اس کے مستحق ہیں جن دنوں آپ ختم نبوت میں قید تھے اور آپ نے جان کی بازی لگائی تھی ان دنوں آپ کے لیے یہاں بے شمار دعائیں کی گئیں اور میں نے تب ہی یہ چیز آپ کے لیے رکھ دی تھی۔

اپنے عشق کا ماجرا بیان کرتے ہوئے کہا ——— میرے بیٹے مجھے اخراجات کے لیے چار پانچ سو روپے ماہانہ بھیج دیتے تھے لیکن اللہ نے مجھے ایسی نوکری دے دی ہے کہ اس سے بڑی عزت کی نوکری ہی نہیں،

میں نے کہا وہ کیا؟

کہنے لگے،

میں حضورؐ کے روضہ میں جھاڑو دیتا ہوں یہ عزت کب ملتی ہے جب تک وہ منظوری نہ دیں اس کے بعد آبدیدہ ہو گئے بولے عرصہ ہوتا ہے میں گنبد خضریٰ پر کپڑا پھیر رہا تھا تو پلستر کی ایک ٹکڑی الگ ہو گئی جانے کتنی صدیوں سے اس کو روضۂ اقدس پر سائبانی کا شرف حاصل تھا میں نے اس ٹکڑی کو خوشبوؤں میں بسا کے رکھا ہے یہ ایک انچ کا ٹکڑا آپ کی نذر ہے خوشبو میں بسا کر چاندی کی ڈبی میں رکھ چھوڑیں، عشق کی بات ہے آخری وقت اولاد سے کہہ دیجئے گا کہ کفن میں ساتھ رکھ دے۔

میں نے شکریہ ادا کیا اور اس نعمتِ غیر مترقبہ کو لے کر یوں محسوس کیا گویا ایک ذرہ

حقیر کو نوازا گیا ہے ——— ؏

یہ سب ان کا کرم، ان کا کرم، ان کا کرم ہے

مسجد نبویؐ عشاء کے بعد بند کر دی جاتی ہے اس کے بعد خدمت گار صفائی کرتے ہیں، لیکن ایک عقبی دروازے کا بغلی پھاٹک خاص لوگوں کے لیے کھلا رہتا ہے شوق و ارادت کی افزونی ہو تو اجازت مل ہی جاتی ہے۔ مجھے بھی حضرت مدنی کے باعث یہ دولت مل گئی۔ اگلے روز شاہ دین ساتھ لے گئے دو سگے بھائی جن کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کے والد ہندوستان کے تھے اور ماں ترک قرأت کر رہے تھے سبحان اللہ آواز تھی کہ سحر، قرآن پاک دل میں اترتا جا رہا تھا اور وہاں پڑھا جا رہا تھا جہاں گنبد خضریٰ تلے وہ عظیم الشان محو خواب ہے جس پہ یہ نازل ہوا تھا! اسطوانۂ جبرئیل روضۂ اقدس اور کلام پاک، اندازہ کیجئے کیا سما ہو گا! یہی وہ لذتیں ہیں جو الفاظ کے زغے میں نہیں آتیں کوئی شیشہ نہیں کہ عکس لے سکے اور کوئی بیان نہیں کہ احاطہ کر سکے۔ سوچئے کیا چیز ہو گی جو سب سے بڑے عشق اور سب سے بڑے ایمان کے ان بے بہا لمحوں میں پیدا ہوتی اور دل و دماغ کو مسحور کرتی ہے۔ عشق و ارادت اور کیف و مستی کا یہی مقام ہے جہاں الفاظ رہ جاتے، آواز صامت ہوتی اور انسان پر سحر ہو جاتا ہے جنہیں آوازیں نہیں سمیٹتیں وہ چیزیں کیا ہوں گی!

اللہ اکبر اللہ اکبر

وداع کا دن آ گیا گئی رات مدینہ بچھڑنے کا خیال ستاتا رہا۔ فجر کی نماز ریاض الجنت میں پڑھی، روضہ اقدس پہ حاضر ہوا تو حال یہ تھا کہ جدائی کے تصور نے انگاروں پہ لوٹنا رکھا تھا۔ ذرا پیچھے ہٹ کے دیوار کی ٹیک لی اور بیٹھ گیا۔

۶۳۲ء عیسوی مئی کا مہینہ ۱۱ ہجری ربیع الاول، عصر کا وقت، ارشاد نبویؐ ہے کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں، عائشہؓ فرماتی ہیں وہ رقیق القلب ہیں ان سے یہ نہ ہوگا۔ حضورؐ فرماتے ہیں نہیں ان سے کہو۔ ابوبکرؓ عذر کرتے ہیں کہ مجھ میں آپ کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے کی ہمت کہاں ——— ؏

یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

حضورؐ کا حکم، ابوبکرؓ روتے دھوتے کھڑے ہو جاتے ہیں ایک دن طبیعت معلیٰ بحال ہوئی تو فرمایا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سہارا دے کر مسجد میں لائے جماعت کھڑی تھی، ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر پیچھے ہٹنا چاہا تو منع فرمایا، ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھی، آخری خطبہ فرمایا۔

"سب سے زیادہ جس کی دولت اور محبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکرؓ ہیں، تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر جاتا ہوں۔"

اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہؓ کے کان میں کچھ کہا تو رونے لگیں، دوبارہ کچھ کہا تو ہنسنے لگیں حضرت عائشہؓ نے پوچھا تو بتایا آپؐ نے فرمایا تھا میں اس مرض میں انتقال کروں گا ——— میں رونے لگی تو فرمایا میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھے آ کر ملو گی، وصال کے لمحے قریب ہو گئے تو انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق چہرہ یوں ہو گیا جیسے مصحف کا کوئی ورق سفید ہو گیا ہے فاطمہؓ نے باپؐ کو رخصت ہوتے دیکھا تو فرمایا ہائے میرے باپؐ کی بے چینی، ارشاد ہوا بیٹی تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔ تب انگلی سے اشارہ

کیا اور تین دفعہ فرمایا

بل الرفیق الاعلیٰ

(اب اور کوئی نہیں وہ بڑا رفیق درکار ہے)

یہی کہتے کہتے روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی،

اللھم صلی علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ صلوٰۃ کثیراً کثیراً

حضورؐ سے رخصت لے کر میں ابوبکرؓ کے جھروکے پر آ گیا دیکھا کہ صدیق اکبرؓ سامنے کے حجرے سے رسول اکرمؐ کو کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ خدا کا رسولؐ کب حجرے سے باہر آتا اور اپنے جمال جہاں تاب سے فضا کو چکا چوند کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے جھروکے کو دیکھا کہ وہ بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضے سے کڑھ رہے اور مسجد اقصیٰ پر ان کے تصرف سے مغموم ہیں عربوں سے کہہ رہے ہیں کیا تم اسی دن کے لیے زندہ تھے؟

رخصت ہونے سے پہلے میں نے روضۂ اقدس کے گرد کئی پھیرے ڈالے ایک ایک ستون پر کھڑا ہوا اصحاب صفہ کے چبوترہ پر قرن اوّل کو تلاش کیا حضرت فاطمہؓ کے حجرہ پر تہجد کی ان نمازوں کو محسوس کیا جو سرور کائناتؐ ہر رات یہاں ادا فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا ——— ؏

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

درود و سلام کے سوا میرے پاس کیا تھا، چاکروں کا چاکر، لوٹا تو جہاں بچھڑنے کا ملال تھا وہاں اس فخر و مسرت سے معمور تھا کہ سب سے بڑی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر جا رہا ہوں۔

سیدھا جنت البقیع پہنچا خاتون جنتؓ کی چوکھٹ پر کھڑا ہو کے روتا رہا میں سوچ رہا تھا عربو! ان کے آبا کو حشر کے دن کیا جواب دو گے؟ انہیں کب نہیں ستایا گیا؟ باپ پر پتھراؤ کیا، شوہر کو خنجر بھونکا، بیٹوں میں سے ایک کو زہر دیا، دوسرے کو کنبہ سمیت شہید کر ڈالا، بیٹی کو کوفہ و موصل کے بازاروں میں بے کجاوہ اونٹوں پر پھرایا اور اب رحلت کے بعد بھی باپ بیٹی کی قبروں میں فاصلہ رکھ دیا ہے، فاطمہؓ کی قبر خود اپنی تعزیت کر رہی ہے۔

عثمان غنیؓ کی لحد پر مسلمانوں کی خنجر گذاری کا بے تحریر کتبہ بول رہا ہے، حضورؐ کی آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہے، عثمانؓ سے فرشتے شرماتے ہیں۔

امام مالک کی قبر کے نزدیک آکر آنسو رخساروں پر اس طرح گرنے لگے جس طرح سفید کاغذ پر الفاظ گرتے ہیں، میں نے دیکھا مسجد نبویؐ میں درس کی صحبت سجی ہوئی ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ جیسے انسان دو زانو بیٹھے ہیں ہارون الرشید نے بلوایا ہے جواب دیتے ہیں۔

”علم کے پاس لوگ آتے ہیں علم لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔“

ہارون الرشید خود حاضر ہوتا ہے کسی نے کہا خلیفۃ المسلمین آرہا ہے عوام کی بھیڑ چھٹ جائے تو بہتر ہے فرماتے ہیں:

”شخصی منفعت کے لیے افادۂ عام کا خون نہیں کیا جا سکتا۔“

منصورؒ نے خلافت کے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے عم زاد بھائی جعفر کو مدینہ کا والی مقرر کیا اس نے امام صاحب کو کہلوایا کہ آئندہ طلاق مکرہ کے عدم اعتبار کا فتویٰ

نہ دیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کا دین کسی انسان کے لیے ترک کرنا مشکل ہے۔ حکم دیا کہ انہیں ستر کوڑے لگائے جائیں، کپڑے اتارے گئے اور ستر کوڑے اس زور سے مارے گئے کہ خون کی دھاریاں بہہ نکلیں، تمام پیٹھ خون سے تر ہوگئی، دونوں ہاتھ مونڈھے سے نکل گئے صبر و استقامت کے پہاڑ کو اس جگہ کھڑا پایا تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر رسوا کیا جائے ——— کہ

تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں پھرایا لیکن زبان مبارک پر ایک ہی کلمہ تھا،

”جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالکؒ بن انس ہوں فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری (مکرہ) درست نہیں ہے۔“

انہی خون آلود کپڑوں میں مسجد نبویؐ میں گئے، پشت مبارک سے خون صاف کیا، دو رکعت نماز پڑھی فرمایا کہ سعید بن مسیب نے بھی کوڑے کھانے کے بعد مسجد نبویؐ میں نماز پڑھی تھی ——— جنت البقیع کو جھک کے سلام کیا، وہاں سے ایک دوست کے ہمراہ مسجد قبا چلا گیا تاکہ لوٹتے وقت وہاں بھی دو نفل پڑھ لوں کہ یہاں نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ ہوٹل آیا منیجر سے بل مانگا تو معلوم ہوا کہ حضرت مدنی سارا بل ادا کر گئے ہیں۔ جتنے دن یہاں ٹھہرا رہا انہی کا مہمان تھا تھوڑی دیر میں وہ خود بھی آگئے، دو بڑی جائے نمازیں لائے ایک میرے اور ایک میری بیوی کے لیے۔ حضورؐ کے حجرہ مبارک سے مٹی لائے، عنبر لائے، کھجور لائے، عطر لائے، بہت سی اعلیٰ قسم کی تسبیحیں عنایت کیں۔ پھر دوستوں کے ہمراہ ائیر پورٹ تک چھوڑنے آئے

جہاز دو گھنٹے لیٹ تھا جب تک جہاز آیا اور چلا نہیں ایئر پورٹ پر موجود رہے۔

میں نے والد مرحوم کے لیئے عُمرہ کا قصد کیا تو مدینہ ہی میں احرام باندھ لیا جہاز وہاں سے جدّہ جا رہا تھا اور مجھے مزید دو روز مکّہ معظمہ ٹھہرنا تھا حضرت مدنی اور دوسرے دوستوں سے ایک بھرپور معانقہ کیا، مدینہ کے حسن و جمال پر نگاہ دوڑائی دل بھی کہہ رہا تھا ——— ؏

اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

پھر سُن سے ایک خیال آ کے نکل گیا کہ مصرع ایک برہمن کا ہے اور اس وقت ایک برہمن زادے ہی کی زبان پر ہے[1]۔ لیکن جس عرب نے آدمی کا بول بالا کیا اس کی اپنی قوم بیوہ کے آنسو کی طرح ٹپک کر مٹی ہو گئی ہے۔

طیارہ اُڑ رہا تھا لیکن سرورِ کائنات ؐ کے الفاظ حافظے کی گرہیں کھول رہے تھے۔

سچائی میں ہر کتاب سے بڑھ کے اللہ کی کتاب ہے،

سب سے معتمد سخن تقویٰ کا کلمہ ہے،

سب ملّتوں میں افضل ملّت ابراہیم ؑ ہے،

سب طریقوں میں بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے،

سب باتوں میں اللہ کے ذکر کو شرف حاصل ہے،

انبیاء کی روش سب روشوں سے اچھی ہے۔

---

[1] مصرع پنڈت ہری چند اختر کا ہے، مؤلف کی گوت ڈار ہے جو کشمیری برہمنوں کی ایک شاخ ہے۔